اقبال

جاوید نامہ

منظوم ترجمہ

مضطر مجاز

ناشر

اقبال اکیڈمی حیدر آباد - ۲۹ انڈیا

جملہ حقوق بحقِ مترجم

تاریخ اشاعت : اکتوبر ۱۹۸۱ء
بار اول : پانچ سو
قیمت : بیس روپے
سرِورق : طالب خوندمیری

زیرِ اہتمام : رحمت یوسف زئی
کتابت : محمد غالب
ابتدائی صفحات : ادارہ سلام خوشنویس

طباعت : نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان۔ حیدرآباد ۲
طباعت سرِورق : لڈا کوالٹی پرنٹرز، لبرٹی بلڈنگ، بشیر باغ۔ حیدرآباد ۲۹

بہ اعانت جزوی : حکومت آندھرا پردیش

E Books
WHATSAPP GROUP

ملنے کے پتے
آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی۔ اے۔ سی گارڈ۔ حیدرآباد ۴
الیاس ٹریڈرس۔ شاہ علی بنڈہ۔ حیدرآباد۔ ۲
(بک سیلرز)

مضطر مجاز 21-5-16
فرحت نگر۔ حیدرآباد۔ ۲۴

فہرست

پیش لفظ ۹ ——— پروفیسر انا میری شمیل
حرفِ اظہار ۱۳

۱۵ دیباچہ
۱۶ مناجات
۲۰ تمہیدِ آسمانی
(آفرینش کا پہلا دن)
(آسمان زمین کی ملامت کرتا ہے)
۲۲ فرشتوں کا گیت
۲۳ تمہیدِ زمینی
(روحِ حضرت رومیؒ آشکار ہوتی ہے
اور اسرارِ معراج بیان کرتی ہے)
۲۳ غزل
۲۹ زروان کہ روحِ زمان و مکان ہے مسافر کو
عالمِ علوی کی سیاحت پر لے جاتی ہے۔
۳۱ تاروں کا گیت

فلکِ قمر ۳۳ تا ۵۵

۴۰ عارفِ ہندی کے نوا
۴۳ جلوۂ سروش
۴۴ نوائے سروش
۴۵ وادیٔ یرغمید کی طرف روانگی جس کو
فرشتے وادیٔ طواسین کہتے ہیں۔
۴۷ طاسین گوتم
(رقاصۂ عشوہ فروش کا تائب ہونا)
۵۰ طاسین زرتشت
(اہرمن کا زرتشت کو آزمانا)
۵۲ طاسین مسیحؑ
(رؤیائے حکیم طالسطائی)
۵۴ طاسین محمدؐ
(حرمِ کعبہ میں روحِ ابوجہل کا نوحہ)

E Books
WHATSAPP GROUP

فلکِ عطارد ۵۸ تا ۷۸
(زیارتِ اَرواحِ جمال الدین افغانی و سعید حلیم پاشا)
دین و وطن ۶۱
اِشتراکیت و ملوکیت ۶۳
شرق و غرب ۶۴
محکماتِ عالمِ قرآنی ۶۶
خلافتِ آدم ۶۶
خدا کی حکومت ۶۸
زمین خدا کی مِلک ہے ۷۰
حکمت خیرِ کثیر ہے ۷۱
روسی قوم کے نام افغانی کا پیام ۷۴
پیرِ رُومی زندہ رود سے شعر سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ ۷۷
غزلِ زندہ رود ۷۷
فلکِ زہرہ ۷۹ تا ۹۰
مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم ۸۲
بعل کا گیت ۸۳
دریائے زہرہ میں اترنا اور ارواحِ فرعون و کشنر کو دیکھنا۔ ۸۵
غزل ۸۶
درویش سوڈانی کا نمودار ہونا۔ ۸۹
فلکِ مریخ ۹۱ تا ۱۰۱
اہلِ مریخ ۹۳
رصدگاہ سے انجم شناسِ مریخی کا برآمد ہونا ۹۴
شہرِ مرغدین کی سیر ۹۶
دوشیزۂ مریخ کا احوال ۹۹
نبیۂ مریخ کا پیغام ۱۰۰
فلکِ مشتری ۱۰۳ تا ۱۲۲
(ارواحِ جلیلہ حلاج و غالب و قرۃ العین طاہرہ کہ جنھوں نے بہشت میں نشیمن کرنا پسند نہ کیا اور گردشِ جاودانی اختیار کی) ۱۰۵
نوائے حلاج ۱۰۶
نوائے غالب ۱۰۷
نوائے طاہرہ ۱۰۸
زندہ رود اپنی مشکلات ارواحِ بزرگ کے سامنے پیش کرتا ہے ۱۰۹

E Books
WHATSAPP GROUP

۱۲۰ خواجۂ اہلِ فراق ابلیس کا نمودار ہونا۔

۱۲۲ نالۂ ابلیس

○ فلکِ زحل ۱۲۳ تا ۱۲۹

۱۲۵ (ارواحِ رذیلہ کا مسکن جنھوں نے ملک و ملّت سے غداری کی اور دوزخ نے بھی انھیں قبول نہیں کیا)

۱۲۶ قلزمِ خونیں

۱۲۶ روحِ ہند نمودار ہوتی ہے

۱۲۷ روحِ ہند نالہ و فریاد کرتی ہے۔

۱۲۸ قلزمِ خونیں کے ایک کشتی نشین کی فریاد

○ افلاک کی سمت ۱۳۱ تا ۱۶۶

۱۳۳ (جرمن فلسفی نطشہ کا مقام)

۱۳۵ جنت الفردوس کی سمت روانگی

۱۳۶ قصرِ شرف النساء

زیارتِ امیرِ کبیر حضرت سید علی ہمدانی

۱۳۸ و ملا طاہر غنی کشمیری

۱۳۹ شاہ ہمدان کے حضور میں

۱۴۶ شاعرِ ہندی بھرتری ہری کے ساتھ

۱۴۸ سلاطینِ مشرق کے محل کی سمت روانگی (نادر، ابدالی، سلطان شہید)

۱۵۱ روحِ ناصر خسرو علوی نمودار ہوتی ہے اور مستانہ وار غزل سرائی کرتی ہوئی غائب ہو جاتی ہے۔

۱۵۵ سلطان شہید کا پیام رودِ کاویری کے نام (حقیقتِ حیات و مرگ و شہادت)

فردوسِ بریں سے زندہ رود رخصت ہوتا ہے اور

۱۵۸ حورانِ بہشتی ٹھہرنے کا تقاضہ کرتی ہیں

۱۵۹ غزلِ زندہ رود

۱۶۴ تجلیِ جلال کا ظہور

○ جاوید سے خطاب ۱۶۷ تا ۱۷۶

(نئی نسل سے کچھ باتیں)

E Books
WHATSAPP GROUP

مضطر مجاز کی دیگر تصانیف و تراجم

شعریات (طبع زاد)

- موسم سنگ (انتخاب نظم و غزل) ۱۹۷۹ء
- شہر بقاء (طویل نظم) زیر طبع
- نقشِ نوا (منظوم ریڈیائی خاکے) زیر ترتیب

اقبالیات (منظوم تراجم)

- نشاطِ مشرق، "پس چہ باید کرد" منظوم ترجمہ ۱۹۷۵ء (یو۔پی اور اے۔پی اردو اکیڈیمی کی انعام یافتہ)
- ارمغانِ حجاز، منظوم ترجمہ ۱۹۷۷ء (یو۔پی اردو اکیڈیمی کی انعام یافتہ)
- جاوید نامہ: منظوم ترجمہ
- نوید مشرق، "زبورِ عجم" اور "پیامِ مشرق" کی منتخب نظموں کا منظوم ترجمہ (زیر ترتیب)
- بادۂ اقبال (اقبال کی فارسی غزلوں کا ترجمہ) (زیر طبع)

E Books
WHATSAPP GROUP

پیرِ میخانۂ اقبال
(ڈاکٹر) سید عالم خوند میریؔ کے نام

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

○

شاہین زادگانِ اقبالؒ

مصلح الدین سعدی

ظہیر الدین احمدؒ

اور

(ڈاکٹر) یُوسف کمالؒ

کی

نَذر

پیش لفظ

اقبال کی تصانیف میں جاوید نامہ سب سے ممیز ہے۔ کسی اور دوسرے شعری رزمیہ میں اس فلسفی شاعر نے اپنے مذہبی، شاعرانہ اور سیاسی مقاصد کا ایسا بھرپور جائزہ نہیں لیا جیساکہ اس تصنیف میں ملتا ہے۔ بہت سے لوگ جن میں خاص طور پر نئی نسل کے قارئین شامل ہیں، ممکن ہے کہ اس نظم کی ہیئت اور اس کے بہت سے استعاروں اور تلمیحات کے بارے میں الجھن کا شکار ہو جائیں جن کا تعلق بڑی حد تک تاریخی شخصیتوں سے ہے مگر مذہب کے ایک تاریخ داں کے لئے اس بات میں بے پناہ مسرت ہے کہ وہ اقبال کے تخیل کے تانے بانے ادھیڑ کر اس کی فکری حیثیت کو اجاگر کرے۔

جرمنی کے قیام ہی سے اقبال، گوئٹے کے زبردست شیدائی تھے جیساکہ گوئٹے کے نام پیام مشرق کے انتساب سے ظاہر ہے اور خود جاوید نامہ کے تعارفی حصے پر بھی گوئٹے کی نظم فاوسٹ کے ابتدائیے کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اطالوی شاعر دانتے کا طربیۂ خداوندی بھی اقبال کے پیش نظر تھا اور اس مقام پر اس دلچسپ فکری رشتے کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے جو کلاسیکی اسلامی تہذیب سے مربوط ہے۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ دانتے معراج نامہ کی قبیل کی کتابوں سے باخبر رہا ہو جن میں پیغمبر اسلام کے آسمانی سفر کا ذکر کیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا ایک اہم جزو ہے۔

چنانچہ اقبال نے بھی نہ صرف دانتے بلکہ عظیم صوفیوں جیسے بایزید بسطامیؒ اور ابن العربیؒ کے نقش قدم پر اپنا روحانی سفر افلاک کی مختلف منزلوں میں طے کیا تاکہ اس جہاں کے رہنے والوں سے اہم مسائل پر بحث کی جائے۔ ممکن ہے کہ کلاسیکی عربی ادب کی ایک اور تصنیف "رسالۃ الغفران" مصنفہ المعری بھی اقبال کے ذہن میں رہی ہو جو اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں شاعر کے ان مباحث کو پیش کرتی ہے جو اس نے قرون وسطیٰ کے شاعروں اور ادیبوں

کے ساتھ جنت اور دوزخ میں بپا کیئے تھے۔ اسی طرح اقبال کسی حد تک ملٹن کے بھی مرہون ہیں جس کی "فردوس گم گشتہ" سے انھوں نے گہرا تاثر قبول کیا تھا۔ لیکن یہ سارے اثرات مولانا رومؒ کی عقیدت کے سامنے پھیکے معلوم ہوتے ہیں جن کو اقبال نے اپنے روحانی سفر میں بالکل اسی طرح اپنا رہنما مان لیا جیسا کہ دانتے نے ورجل کو دونوں جہانوں میں اپنا رہبر تسلیم کر لیا تھا اقبال کی مولانا روم سے عقیدت کئی اسکالرز کا موضوع بحث رہی ہے اور یہ بھی ایک مثالی تعبیری معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس عظیم صوفی شاعر کو سحر کارانہ انداز میں متوجہ کرنے کے لیئے خود ان کی "آرزوست" والی غزل کی نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ یہ وہ غزل ہے جس میں مولانا نے ایک ایسے اہل حق انسان کی آرزو کی ہے جو جانوروں اور درندوں سے بالاتر ہو اور اسی اہلِ حق کی تلاش مردِ مومن کی صورت میں اقبال کا بھی نصب العین ہے اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو جاوید نامہ خود بھی مختلف افلاک پر اسی مثالی انسان کی کھوج کی داستان بھی ہے۔ یہاں مولانا رومؒ اقبال کو مختلف الخیال مفکروں سے متعارف کراتے ہیں اور یہ بات بھی اس مقام پر ناقابل فراموش ہے کہ افلاک پر مباحث میں ہندو مفکروں کا بھی ایجابی انداز میں ذکر ملتا ہے۔

اکثر و بیشتر افلاک کی منظر نگاری اور قرونِ وسطیٰ کے مغربی اور مشرقی ماہرین فلکیات و نجوم کی معلومات میں مماثلت پائی جاتی ہے مگر اقبال نے کئی مقامات پر مختلف افلاک کو نئی معنوی جہتوں سے آشنا کیا ہے چنانچہ مریخ جسے زمانۂ قدیم سے کثرت مصیبتوں اور جنگ کا سیارہ مانا گیا جاوید نامہ میں دوسرا ہی منظر پیش کرتا ہے یہاں دور دور تک ایک بھی خون بہانے والا سپاہی موجود نہیں مگر اس سیارے پر یورپ کی ایک ایسی مجاہدہ ابھرتی ہے جو آزادی نسواں کی علمبردار ہے ـــــ بظاہر یہ خطرہ اقبال کی نظروں میں ایک بھیانک جنگ کی ابتداء سے کم نہیں ...... اور زحل جو عظیم تر مصیبتوں کا سیارہ ہے بہت مناسب طور پر دو ایسی شخصیتوں کا مسکن ہے جن کی وجہ سے ہندوستان میں مسلم قوتیں شکست سے دو چار ہوئیں اور بالآخر بنگال اور دکن کے علاقے برطانوی حکومت کا حصہ بن گئے۔

اس عظیم رزمیہ کے تفصیلی مطالعہ سے نہ صرف اقبال کے علم و فضل بلکہ ان کے اس منفرد اسلوب کا بھی ثبوت ملتا ہے جس کی بنا پر انھوں نے روایتی انداز کی تفسیر و تعبیر کو پیش کیا چنانچہ انھوں نے فلک قمر پر "طواسین رُسل" کے تعارف کا اہتمام کیا۔ طواسین کی اصطلاح بلاشبہ اقبال نے حلاج کی مشہور زمانہ کتاب "کتاب الطواسین" سے مستعار لی ہے جسے شہید صوفی (شہادت ۹۲۲ء) نے بغداد کے قید خانے میں تصنیف کیا تھا۔ جس کا مطالعہ اقبال نے لوئی مسیگنان (LOUIS MASSIGNON) کے ۱۹۱۳ء کے ایڈیشن کے ذریعہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب نے حلاج کے بارے میں ان کے خیالات کو نظر ثانی پر مجبور کیا کیوں کہ اقبال نے ۱۹۰۷ء میں لکھے گئے اپنے ایک مقالہ میں حلاج کو خالص

وحدت الوجودی قرار دیا تھا. جبکہ لوئی میگنان کے اس ایڈیشن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس کے زیر اثر اقبال نے حلاج کی فکر کے بالکلیہ انفرادی پہلو کو دریافت کیا اور اُسے فلک مشتری کے اس حسین منظر میں شامل کیا جہاں "شہیدانِ عشق" جمع ہو گئے ہیں. اسی حسین منظر میں حلاج وہ شاندار نعت پڑھتے ہیں جس میں پیغمبر کی "عبدہٗ" کی خصوصیت کو نہایت مناسب انداز میں اجاگر کیا گیا ہے. یہ اس لیئے بھی اہم ہے کہ حلاج کی کتاب "الطواسین" پیغمبر اسلامؐ اور ان کے "نور قبل ازل" (PRE-ETERNAL LIGHT) کی شان میں کہی گئی سب سے حسین نعت بھی ہے.

انتہاہی دل چسپ مطالعہ یہ بھی ہے کہ نطشہ کے بارے میں اقبال کا کیا رویہ ہے گو کہ وہ اپنے حرکی فلسفہ کے لیئے نطشہ سے متاثر رہے مگر عام طور پر انھوں نے نطشہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جیسا کہ "پیام مشرق" میں کئی بار انہوں نے کہا کہ نطشہ کا دل تو مومن ہے لیکن اس کا ذہن کافر ہے.

اقبال نے نطشہ کی اس دانشورانہ جرأت کو خوب سراہا جس کے ذریعہ وہ "یونانیت زدہ عیسائیت" (HELLENIZED CHRISTIANITY) کے بتوں کو پاش پاش کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی سرزنش بھی کی کہ وہ شہادت کی منزل "لا" تک پہونچ کر "الا" کی منزل سے دور رہا. اس کی دانشورانہ شروعات تو ٹھیک تھیں مگر وہ بالآخر "مقام کبریا" کے عرفان و ادراک سے محروم رہا.

جب جاوید نامہ میں افلاک کی ویران وسعتوں میں یکا و تنہا جرمن فلسفی (نطشہ) کا ایک شعر دہراتے ہوئے (جو اس کے ہر چیز کی ابدی مراجعت کے نظریے کی طرف ایک اشارہ ہے) خلاء میں گھومتے رہنا ایک بڑا اثر انگیز منظر ہے. یہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی نطشہ اور حلاج کے درمیان ایک باطنی لکیر کھینچ کر اقبال یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں ہی اقتدار کے ہاتھوں "مارے گئے" جو نہ صرف ان کے مقاصد کو سمجھنے سے قاصر تھا بلکہ اسلام کی صداقت کی جانب رہنمائی کی اہمیت سے بھی محروم تھا. لیکن نطشہ ابدی محرومی کا شکار ہو گیا، جبکہ ایسا لگتا ہے کہ حلاج، اقبال کے پیشرو بن کر ابھرے جنھوں نے "روحانی طور پر مردہ لوگوں میں روح پھونکی" یہ اور بات ہے کہ اس مقصد کے لیئے حلاج کو اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑی.

جاوید نامہ کا ایک اور اہم پہلو شیطان کی وہ تصویر ہے جسے اقبال نے حلاج کے سیاق و سباق میں پیش کیا ہے جو درحقیقت خود حلاج کے اپنے خصوصی مطالعۂ ابلیس (SATANOLOGY) کی دین ہے. ابلیس کے بارے میں اقبال کے رویے پر کئی اسکالرز (بوسانی، شیمل اور دوسرے) نے بحث کی ہے کیوں کہ (ابلیس کے) اس تصور میں کئی فکری رجحانات جمع ہو گئے ہیں. جاوید نامہ کے رزمیہ میں ابلیس ایک المناک کردار ہے جو ——

اس بات کا شاکی ہے کہ انسانیت اس کی تحریص و ترغیب کا آسانی سے شکار ہوگئی اور اب وہ خود ایک ایسے اہل حق کا متلاشی اور آرزومند ہے جو آخر کار اس پر فتح پالے تاکہ وہ (ابلیس) اس کے آگے سجدہ ریز ہو کر اس جُرمِ انکار کی تلافی کر سکے جس کا ارتکاب اس نے آدم کو سجدہ نہ کر کے کیا تھا۔

جاوید نامہ فکر و دانش کا ایک ایسا زبردست سرچشمہ ہے جس کے ایک ایک شعر کو مذاہب کے تاریخی اور تقابلی جائزے اور فارسی ادب کی تاریخ کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سیاسی اور سماجی تاریخ کے پس منظر میں بھی۔ اس سیاق میں باب فردوس میں کشمیر کا استعارہ خصوصیت سے بہت اثر انگیز ہے۔

میں نے خود جاوید نامہ کا جرمن زبان میں منظوم اور ترکی زبان میں منثور ترجمہ کیا ہے۔ ترکی ترجمے کے ساتھ میں نے ایک شرح کا بھی اضافہ کیا ہے۔ مجھے اس نظم کے ترجمے کی ضرورت کا اس قدر شدید احساس ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ اس کے ترجمے جتنی زبانوں میں ممکن ہوں کیئے جائیں۔ اطالوی (بوسانی) فرانسیسی (میرودیچ) اور انگریزی (آربری و شیخ) میں جاوید نامے کے کئی ترجمے موجود ہیں۔ چونکہ اب ہندوستان و پاکستان میں فارسی کا وہ چلن نہیں رہا جیسا کہ اقبال کے دور میں تھا اس لیئے میں اس اردو ترجمے کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کرتی ہوں اور بالخصوص اس لیئے بھی کہ یہ ترجمہ مضطر مجاز جیسے اسکالر اور باصلاحیت شاعر کی کاوش کا نتیجہ ہے جو ہر لحاظ سے اقبال کے فارسی کلام کو منظوم اردو ترجمے میں پیش کرنے کے اہل ہیں اور اس سے قبل بھی وہ اپنی مادری زبان میں اقبال کے تراجم پیش کر چکے ہیں۔ ان میں ایک اچھے مترجم کی وہ ساری صلاحیتیں موجود ہیں جن کی بنا پر وہ اصل متن کی صوری اور معنوی خوبیوں کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو اردو نظم کا جامہ پہنا سکیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اقبال کا یہ شاہکار رزمیہ اپنے اس خوب صورت لباس میں کئی نئے قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔

(ڈاکٹر) انا میری شمیل
پروفیسر شعبہ تاریخ مذاہب
ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ)

۲۸ اگسٹ ۱۹۸۱ء
لینشٹر — ۴۲
۵۳۰۰ - بان - ۱
جرمنی

انگریزی سے ترجمہ - (ڈاکٹر یوسف کمال)

حرفِ اظہار

عرض کرنا یہ ہے کہ ـــــ ـــــ

ترجمہ جب تک نیم وجدانی عمل نہیں بنتا، بات نہیں بنتی کیوں کہ ترجمے کے کوئی خاص نپے تلے اصول و قواعد نہیں، بنیادی بات یہی ہے کہ مصنف کے اصلی مفہوم تک رسائی ہو جائے۔ اقبال جیسے بڑے شاعر کے ہاں خود الفاظ، معانی کی فلسفیانہ گہرائی سے قطع نظر، اپنے ساتھ کیفیات کی ایک دنیا لیے رہتے ہیں۔ مثلاً دبدبۂ قلندری، طنطنۂ سکندری جیسی تراکیب ہی کو لیجئے۔ یہ تراکیب اپنے صوتی آہنگ ہی سے قلندری کی گمبھیرتا اور سکندری کے کھوکھلے پن کو واضح کر دیتی ہیں۔ ایسی پُرمعنی تراکیب اور الفاظ کے ایسے شیڈس اپنے اندر ایک ایسا بے پناہ ذاتی حُسن رکھتے ہیں کہ کچھ کہنا حُسن کو محدود کر دینا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ اصل کتاب کا متبادل نہیں بلکہ معاون ہے۔ مترجم کی یہی تمنا ہوتی ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے اصل تصنیف کے حُسن کی ہلکی سی جھلک ہی سے سہی آشنا ہو جائیں۔ ممکن ہے بعض قارئین کو اس ترجمہ کا ڈکشن مشکل لگے، لیکن مجبوری یہ ہے کہ اقبال کا ڈکشن بھی کچھ ایسا سہل نہیں۔ جہاں جہاں دی گئی تشریحات مبتدیوں کی رہنمائی اور منتہیوں کی دل چسپی کا باعث ہونگی۔ لیکن اس موقع پر دانتے کے ایک اسکالر اِنوُلا کی یہ بات بہت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس کتاب کو سمجھنے میں علم و فضل کے مقابلے میں فہم و فراستِ مومن شاید زیادہ مددگار ثابت ہو، ؎

علم ہے ابن الکتاب عشق ہے اُم الکتاب

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں اسلامیات اور اقبالیات کی عظیم اسکالر پروفیسر انامیری شمیل کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ پروفیسر صاحبہ نے اپنی بے پناہ علمی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت نکال کر میرے اس کم سواد ترجمے کو بہ نظر اعتنا ملاحظہ فرمایا اور ایک نہایت درجہ سیر حاصل، مبسوط اور جامع پیش لفظ رقم فرمایا۔ جو نہ صرف یہ کہ جاوید نامہ کا بہترین تعارف ہے بلکہ خود اقبالیات میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتا ہے

میں اپنے دیرینہ رفیق اور رہنما ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب (اسکول آف اورنٹیل افریکن اسٹیڈیز، لندن یونیورسٹی) کا ممنون کرم ہوں کہ ان کی ہمت افزائی نے مجھے اس کام کو مکمل کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا۔

اگر میرے معزز دوست جناب شاہد حسین دامے، درمے قدمے، سخنے میرا ہاتھ نہ بٹاتے، اور جناب مصطفٰے کمال صاحب طالب خوندمیری اور محمد غالب (خوشنویس) کی عنایتیں اور مخلصانہ تعاون شاملِ حال نہ ہوتا تو شاید یہ کتاب شائع نہ ہو پاتی۔

۲۱۔ فرحت نگر
حیدرآباد ۲۴

(مظفر مجاز)

دیباچہ

میرا خیال محوِ تماشائے آسماں
گہ دوشِ مہ پہ، گاہ بہ آغوشِ کہکشاں
یہ خاکداں ہی اپنا نشیمن نہیں فقط
ہر تارا اِک جہان ہے یا تھا کبھی جہاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُناجات

اِس جہانِ رنگ و بُو میں آدمی
مثلِ نَے گرمِ فغاں ہے ہر گھڑی
آرزوئے ہم نفس اس کو جلائے
نالہ ہائے دِل نواز[1] اس کو سکھائے
آہ! یہ عالَم کہ ہے بس آب و گِل
کِس طرح کہیئے کہ ہے دارائے دِل
دشت و کوہ و کاہ بہرے اور چُپ
بحر و مہر و ماہ بہرے اور چُپ
گو ہے تاروں کا فلک پر کارواں
ہے مگر ہر ایک تنہا تر وہاں
ہر کوئی اپنی طرح بے چارہ ہے
اِس فضا میں سر بہ سر آوارہ ہے
کارواں محوِ سفر بے برگ و ساز
بیکراں افلاک ہیں، راتیں دراز
یہ جہاں ہے، صید ہم صیاد ہیں؟
رہنِ رفتہ، یا بہ فیضِ یاد ہیں؟

رو رہا ہوں، میرا محرم ہے کہاں؟
ہم نفس فرزندِ آدم ہے کہاں؟

آہ! ــــ یہ روزِ جہانِ چار سو
ہیں درخشاں جس سے سارے کاخ و کُو
ہے رمِ سیّارہ[2] سے اس کا وجود
کچھ نہیں ہے یہ بجز اک رفت و بُود
مرحبا! جو دن نہیں ایام سے
صبح بیگانہ ہے جس کی شام سے
جاں میں بھر جائے جو اس کی روشنی
مثلِ رنگ آئے نظر آواز بھی
غیب بھی ہو، اس کی تابش سے حضور
نوبت اس کی لازوال و بے مُرور[3]

---

۱ دل لُبھانے والا ۲ زمین کی گردش ۳ نہ گزرنے والا

اے خدا! وہ دن عطا کر دے مجھے
اس اسیری سے رہا کر دے مجھے

کس کی خاطر آیۂ تسخیر ہے؟ کس کا حیراں یہ سپہرِ پیر ہے؟
رازدانِ علمِ اسما کون تھا یعنی مستِ اس جام و مے کا کون تھا!
برگزیدہ کیوں سب عالم پر کیا؟ محرمِ رازِ دروں کیوں کر دیا؟
تیر کو تیرے ہدف سینہ مرا حرفِ اُدْعُوْنِی کہا کس سے گیا؟
رخ ترا ایماں مرا، قرآں مرا جلوہ اپنا میری جاں سے مت چھپا

جب نکلتی ہے شعاعِ آفتاب
کم نہیں ہوتی متاعِ آفتاب

عصرِ حاضر کو خرد زنجیر پا جانِ مضطر مجھ سی ہے کس میں بھلا!
سینکڑوں جب پیچ کھائے کائنات جانِ مضطر تب کہیں آتی ہے ہات
آہ! لیکن یہ زمینِ شورہ زار° کب ہے تخمِ آرزو کو سازگار
سر بہ سر ہے سخت و بے حاصل یہ گِل بس غنیمت ہے اگر پیدا ہو دل
تو ہے مہر، میرے شبستاں سے گذر کر مرے بے نوریِ جاں پر نظر

شعلے کے نزدیک ہے خاشاک کیا؟
برق کو ہے ٹوٹنے سے باک کیا؟

کب تلک سہتا رہوں دردِ فراق راہ دکھلا دے سوئے نیلی رواق°°
بند جو در ہیں وہ مجھ پر باز کر قدسیوں کا اب مجھے ہمراز کر
آگ اک تو میرے سینے میں لگا عود کو چھوڑ اور ہیزم°°° کو جلا
رکھ پھر اُس آتش پہ میرے عود کو دہر میں پھیلا دے میرے دود° کو
آتشِ پیمانہ میری تیز کر بے رخی کو التفات آمیز کر

° بنجر °° چھت °°° جلانے کی لکڑی ° دھواں

میں ترا جویا ہوں، تو مجھ سے ہے دور
تو یہ توبہ! آنکھ ہی ہے میری کور

یا اٹھا اس پردۂ اسرار کو
چھین لے یا جانِ بے دیدار کو

نخل میری فکر کا بے برگ و بر
یا تبر ہی بھیج یا بادِ سحر

عقل دی ہے تو جنوں بھی دے مجھے
اور جذبِ اندروں بھی دے مجھے

علم کرتا ہے گمانوں میں مقام
عشق کا کاشانہ قلبِ لا ینام

علم جب تک عشق سے بیزار ہے
اک تماشہ خانۂ افکار ہے

یہ تماشہ گہہ ہے سحرِ سامری
علم بے روح القدس افسوں گری

بے تجلی مردِ دانا رہ نہ پائے
دھیان کے ہاتھوں خود اپنی جاں گنوائے

بے تجلی زندگی رنجور ہے
عقل ہے مہجور، دیں مجبور ہے

یہ جہانِ کوہ و دشت و بحر و بر
ہم نظر مانگیں، وہ دیتا ہے خبر

کر عطا منزل دلِ آوارہ کو
کر عنایت ماہ اس مہ پارہ کو

گرچہ ہوں میں ہر گھڑی محوِ کلام
حرفِ مہجوری نہیں ہوتا تمام

زیرِ گردوں خود کو پاتا ہوں غریب
ہو مخاطب مجھ سے کہہ انی قریب

تاکہ مثلِ ماہ ہو جائیں غروب
یہ جہات اور یہ شمال اور یہ جنوب

یہ طلسمِ دوش و فردا ٹوٹ جائے
دور یہ آفرج ثریا چھوٹ جائے

تو فروغِ جاوداں ہے، میں شرار
اک دو دم رکھتا ہوں، سو بھی مستعار

تو نزاعِ مرگ و ہستی سے پرے
رشکِ یزداں پر بھی یہ بندہ مرے

بندۂ آفاق گیر و ناصبور
نے غیاب اس کو خوش آئے نے حضور

میں ہوں آنی جاودانی کر مجھے
ہوں زمینی آسمانی کر مجھے

منضبط گفتار اور کردار دے
خراستہ معلوم ہے، رفتار دے

اک نئے عالم سے ہوں محوِ خطاب
اتری ہے اور آسماں سے یہ کتاب

بحر ہوں اور ہے سکوں مجھ پر خطا
کون ہے میرے عمق سے آشنا

ایک عالم ہے مرا ساحل نشیں
جز رم موج اس نے کچھ دیکھا نہیں

میں کہ ہوں تو میدِ پیرانِ کہن
آنے والے دن سے رکھتا ہوں سخن

سہل کر دے نوجوانوں پر یہ حرف
اور پایاب اُن پہ کر دے میرا ژرف ؎

ـــ وہ گہرائی ـ ۱؎ آیۂ تسخیر : وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ⋆ (۱۳:۴۵)

۲؎ علم اسماء : وعلّم آدم الاسماء کلّھا۔ علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے (حضرت آدمؑ کو) کل چیزوں کے اسماء کا۔ (۲/۱)

۳؎ ادعونی استجب لکم تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

۴؎ لا تاخذہ سنۃٌ ولا نوم ، نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند (۲/۲۵۵)

۵؎ واذا سالک عبادی عنّی فانّی قریب ۔ اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں (کہ میں کہاں ہوں تو آپؐ اُن سے فرما دیجیے کہ) میں تو اُن سے بہت قریب ہوں ۔ (۲/۱۸۶)

⋆ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو تمہارا خادم بنا دیا ہے۔

تمہیدِ آسمانی

آفرینش کا پہلا دن

(آسمان زمین کی ملامت کرتا ہے)

زندگی ہے لذتِ غیب و حضور — جس نے دکھلایا جہانِ نزد و دور
اس طرح تارِ نفس برہم ہوا — رنگِ حیرت خانۂ دوراں جما
ہر جگہ اک ذوق و شوقِ خوگری — نعرۂ "من دیگرم تو دیگری"!
چاند اور تاروں کو سکھلایا خرام — اک چراغاں سا فضاؤں میں تمام
آسماں کو دے گیا پھر آفتاب — خیمۂ زربفت، با سیمیں طناب
صبحِ اول نے افق کو آلیا — عالمِ نوزادہ کو لپٹا لیا
ملکِ آدم تھی یہی اک خاکداں — اور اُس کا دشت تھا بے کارواں
آبجو بھی کوہ سے محوِ ستیز — اور نہ صحراؤں میں ابرِ ریزریز
شاخساروں میں سرودِ طائراں — اور نہ ہرنوں کی کہیں کلکاریاں
بحر و بر سب بے تجلی ہائے جاں — جن سے لپٹا تھا دھوئیں کا طیلساں

٭ امیر خسرو کے شعر کا ایک ٹکڑا [illegible]

سبزہ بادِ فرودیںٗ نا آشنا
خاک کی تہہ میں پڑا سوتا ہوا
سماں نے طعنہ دھرتی کو دیا
"روزگار ایسا کہاں ہوگا بھلا!
تجھ سا اندھا کون اس عالم میں ہے
نور ہے تیرا، مری قندیل سے
ناک ہو الوندٗٗ بھی تو خاک ہے
کب وہ روشن صورت افلاک ہے
ساز و برگِ دلبری کے ساتھ بھی
یا ہو نذرِ ننگ و عارِ کمتری"
طعنۂ گردوں سے بھی دھرتی خجل
نا امید و دل گران و مضمحل

دردِ بے نوری سے سوئے حق گئی
تب یہ آواز آسمانوں سے اٹھی

کیوں امانت سے وہیں ہے بے خبر
غم نہ کھا گر ذات پر اپنی نظر
وز روشن زندگی کے شور سے
اس کو کیا لینا جہت کے نور سے
ن کو بخشے نور مہرِ داغدار
نورِ جاں پر کب ہے گردِ روزگار
رِ جاں بے جادہ ہے گرم سفر
مہر و مہ کے نور سے بھی تیز تر
حِ جاں سے دھو دیا نقشِ امید
خاک میں کر اپنی نورِ جاں کی دید
قل آدم کی جہاں برہم کرے
عشق اس کا لامکاں برہم کرے
ہ داں اندیشہ اس کا بے دلیل
آنکھ ہے بیدار تر از جبرئیل
اک ہے پرواز میں مثلِ ملک
اک سرائے کہنہ ہے اس کی فلک
ہ کھٹکتا آسماں کے دل میں ہے
نوکِ سوزنٗٗٗ جیسے ریشم میں چبھے
ھوئے وہ سب داغِ دامانِ وجود
بے نگہ اس کی، جہاں کور و کبود
رچہ کم تسبیح اور خوں ریز ہے
اسپ دوراں کے لیے مہمیز ہے
ائنات اس کی نظر روشن کرے
تا صفت میں دیکھے جلوے ذات کے
بھی عاشق ہے جمالِ ذات کا
ہے وہ آقا جملہ موجودات کا!

— مولانا روم رحمہ

ٗ فرودیں: بہار کا مہینہ ٗٗ ایک پہاڑ کا نام ٗٗٗ سوئی

فرشتوں کا گیت

چمک نوری سے مشتِ خاک کی ہو جائے گی افزوں
زمیں بھی اک دن اسکے فیض سے بن جائے گی گردوں

خیال اس کا کہ پائے پرورش سیلِ حوادث میں
نکل جائے گا چرخِ نیلگوں سے ایک دن بیرون

ذرا کر معنیِ آدم پہ غور اور پوچھ مت مجھ سے
ابھی ہے دل کے اندر ایک دن ہو جائے گا موزوں

کچھ ایسے ہو گا موزوں پیش پا افتادہ مضموں یہ
اثر سے جس کے دل یزداں کا بھی ہو جائے گا پُرخوں

تمہیدِ زمینی

(روح حضرت رومیؒ آشکار ہوتی ہے اور اسرارِ معراج کی شرح کرتی ہے)

عشق شور انگیز بے پروائے شہر
سرد آگ اُس کی کرے غوغائے شہر

ڈھونڈے خلوت کے لیے دشت و کوہسار
یا لبِ دریائے ناپیدا کنار

میرا یاروں میں نہ تھا محرم کوئی
جا کے میں دریا پہ بیٹھا دو گھڑی

بحر اور وقتِ غروبِ آفتاب
تھا شفق سے آب بھی لعلِ مذابؔ

کور کو ذوقِ نظر بخشے غروب
شام کو رنگِ سحر بخشے غروب

اپنے ہی دل سے تھی میری گفتگو
آرزو بھی اور ذوقِ جستجو

آنیؔ اور پائندگی سے بے نصیب
زندہ تھا اور زندگی سے بے نصیب

تشنہ تھا دُور از کنارِ چشمہ سار
یہ غزل گانے لگا بے اختیار

غزل

لب کھولیے! ہے قندِ فراواں کی آرزو
چہرہ دکھائیے! ہے گلستاں کی آرزو

ؔ پگھلا ہوا ؔ بے ثبات

اک ہاتھ میں ہو جام تو ہو دوسرے میں زلف
ہے ایسے ایک رقصِ بہاراں کی آرزو

بولا وہ ناز سے "نہ ستا مجکو یاں سے جا!"
ہے ایسے ہی کلامِ بہاراں کی آرزو

اے عقل! تجکو شوق پراگندہ تر کرے
اے عشق! نکتہ ہائے پریشاں کی آرزو

یہ آب و نانِ چرخ ہے بے فیض مثلِ سیل
ماہی ہوں، ہے نہنگ اور عمّاں کی آرزو

فرعون اور اس کے ظلم سے جاں ہے مری ملول
ہے نورِ جیبِ موسیٰؑ عمراں کی آرزو

لے کر چراغ شیخ نے ڈھونڈا تمام شہر
محزوں ہوں دیو و دد سے، ہے انساں کی آرزو

ہوں ہمرہانِ سست عناصر سے میں اداس
ہے شیرِ حق کی، رستمِ دستاں کی آرزو

میں نے کہا "ملے نہ جو اس کی ہے جستجو"
اس نے کہا "ہے ایسی ہی جاناں کی آرزو"

سینۂ دریا پہ موجیں محوِ خواب
تھی افق تیرہ جو ڈوبا آفتاب
جس سے اک ٹکڑا اڑا لائی تھی شام
اک ستارہ، شاہدِ بالائے بام
روحِ رومی پردے سارے چیرتی
اک پہاڑی پر نمایاں ہو گئی
تھی جبیں روشن مثالِ آفتاب
شیب٭ بھی فرخندہ تھا مثلِ شباب
پیکرِ روشن میں نورِ سرمدی
تھا سراپا میں سرورِ سرمدی

٭ بڑھاپا

تھا لبوں پر سرِّ پنہانِ وجود — بندِ حرف و صوت کی، خود کی کشود
تھا زباں پر حرف اک آئینہ سا — علم میں سوزِ دروں گھولا ہوا
کہیے ہے موجود و ناموجود کیا؟ — ہے یہ نامحمود کیا، محمود کیا؟"
یوں لیے ہے موجود جو چاہے نمود — آشکارائی تقاضائے وجود
'خود' کو 'خود' سے ہے سجانا زندگی — اور شہادت خود پہ لانا زندگی
انجمن روزِ الست آراستہ — کی تھی تاکہ خود کو منوالیں ذرا
زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بلب — ان گواہوں سے شہادت کر طلب

شاہدِ اول ہے خود تیرا شعور
دیکھ خود کو اپنا جلوہ اپنا نور
دوسرا شاہد ہے اوروں کا شعور
دیکھ خود کو اپنا جلوہ، ان کا نور
تیسرا شاہد، شعورِ ذاتِ حق
اپنا جلوہ اور نورِ ذاتِ حق

تو اگر اس نور میں قائم رہا! — یہ سمجھ تو حی و قائم ہے سدا
آپ اپنے تک پہونچنا زندگی — ذات کو بے پردہ تکنا زندگی
مردِ مومن کی صفت سے کام کیا — مصطفےٰؐ کو تھا تقاضا ذات کا
کیا ہے معراج اک حسیں کی آرزو — آزمانا خود کو اس کے روٗ بروٗ
گر نہ وہ شاہد شہادت دے تری — مثلِ بوئے گل ہے بکھری یہ زندگی
اس کے آگے کون ٹھہرے استوار — جو ٹھہر جائے وہ ہے کامل عیار

ذرہ ہے تو تاب و تب اپنی بچا | رکھ گرہ میں باندھ کر اس کو سدا
آب و تاب اپنی بڑھانا چاہیے!! | سامنے سورج کے جانا چاہیے
اک نیا پیکر تراش اے خود شکن! | کر کے اپنا امتحاں 'موجود' بن!

بس یہی موجود ہے، محمود ہے
ورنہ نازِ زیست موجِ دود ہے"

"حق کے آگے جائیں کیسے یہ بتا؟ | قلبِ خاک و آب شق کرنا ہے کیا؟
امر ہے آمر، نہ خالق خلق ہے | حلق چھلنی شستِ دوراں سے ہوئے"
بولے "گر آجائے سلطاں تیرے ہاتھ | توڑ سکتے ہیں فلک اے خوش صفات
سامنے تیرے ہوں عریاں کائنات | دھوئے پھر دامن سے وہ گردِ جہات
پائے گا اس میں کمی بیشی نہ تو | آپ سے دیکھ اس کو، اس سے آپ کو
نکتۂ "الّا بسلطانٍ"° یاد کر | ورنہ پھر مور و ملخ کی موت مر
جسم کی صورت سے اے مردِ خدا | جسم تیرا اس جہاں میں ہو گیا
سعی کر اس سے نکلنے کے لیے | بند اپنے کھولنا بھی چاہیے
آب و گل کا تو نہیں ہے جسم یہ | ہے جو صاحب دل سمجھتا ہے اسے
ہے وہ مجبوری تو یہ ہے اختیار | وہ ہے پردوں میں نہاں یہ آشکار
ہے وہ باگریہ تو یہ باخندہ ہے | یعنی وہ جوئندہ یہ یابندہ ہے
وہ سکوں ہے اور سیرِ کائنات | یہ نہیں سیر اس کی پابندِ جہات
وہ سدا محتاج روز و شب رہے | اور روز و شب کا یہ مرکب بنے

° تلمیح بر آیۂ قرآنی یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان (سورۂ رحمان ۳۳) ترجمہ: اے گروہ جن و انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حد سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم)

طفل کا جنم اشک کے گرنے سے ہے
ہے دلیل اُن ہر دو جنموں کی اذاں
جانِ بیدار اک جو تن میں جنم لے
میں نے پوچھا "جنم" کہتے ہیں کسے؟
شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور
خودگدازی گاہ جلوت میں کرے
اس کی جلوت میں عیاں نورِ صفات
عقل اس کو سوئے جلوت کھینچ لائے
عقل کی زد جب اس عالم پر پڑے
سنگِ رہ اس کے لیے ٹھہرے ادب
حاصل اس کی آنکھ کو ذوقِ نگاہ
جیسے اندھا راہ ڈر ڈر کر چلے
رنگ و بو پر عقل ہے پیچیدہ تر
ہوتے ہیں سارے بتدریج اس کے کام
عشق کو کیا کام سال و ماہ سے
کوہ میں بھی عقل کرتی ہے شگاف
عشق کے آگے مگر ہے کوہ، کاہ
عشق ہے شبخوں لامکاں پر مارتا!
زور اس کا ہے نہ خاک و آب سے
ڈھائے خیبر کو وہ کھا کر نانِ جو
بن لڑے نمرود اس سے ہار جائے

عالم اک ٹوٹے تو مرد اک جنم لے
لب سے اک دیتے ہیں، ایک ازعینِ جاں
اس جہانِ کہنہ میں لرزہ پڑے
بولے "یہ بھی زیست کی اک شان ہے"
اس کو حاصل ہے ثبات اسکو مرور
جمع خود کو گاہ خلوت میں کرے
اس کی خلوت میں درخشاں نورِ ذات
عشق اس کو سوئے خلوت کھینچ لائے
اس طلسمِ آب و گِل کو توڑ دے
برق وار اس کے لیے گویا خطیب
پر نہیں ہے جراءتِ رندانہ آہ!
دھیرے دھیرے چیونٹی کی طرح سے
دوست کے رستے میں آہستہ مگر!
جانے کیسے کام کرتی ہے تمام!!!
دیر و زود و نزد و دورِ راہ سے
یا پھر اُس کے گرد کرتی ہے طواف
دل سریع السیر ہے مانندِ ماہ
چھوڑنا جگ کو لحد دیکھے بنا!
اور نہ قوت سختیِ اعصاب سے
چاند کے ٹکڑے بھی کر ڈالے وہ دو
بے سپہ فرعون کو وہ مار جائے

٭ تیز رفتار

عشق جاں میں، آنکھ میں جیسے نظر
ہے درونِ خانہ اور بیرونِ در

عشق خاکستر بھی ہے، اخگر بھی ہے
دین و دانش سے مگر برتر بھی ہے

عشق ہے سلطان و برہانِ مبیں
دونوں عالم عشق کے زیرِ نگیں

لا زماں اور دوش و فردا اس سے ہیں
لامکاں اور زیر و بالا اس سے ہیں

جب خودی کا حق سے وہ طالب ہوا
مرکبِ عالم یہ تو وہ راکب ہوا

آشکار اس سے مقامِ دل ہوا
اس جہاں کا جذب سب باطل ہوا

حق سے واصل ہوتے ہیں عاشق بھی
عقل تاویلیں کی دیتے ہیں بلی

سو سے بے سوئی کی جانب کر خرام
اپنے اوپر موت کو کر لے حرام

ہے تو مثلِ مردہ در صندوقِ گور
جاگ جا ممکن بھی ہے بے بانگِ صور

ہے نوا تیرے گلو میں خوب و نغز
رگ میں ہیں* وہ ناک تک یہ مثلِ چغز

وہ مکاں ہو یا زماں، ہو جا سوار
چھوڑ دے زنار کے یہ کاروبار

تیز کر لے اپنی آنکھیں، اپنے گوش
دیکھتا ہے جو بھی، دیکھ از راہِ ہوش

شخص وہ جو بانگِ موراں سن سکے
سرِّ دوراں بھی وہ دوراں سے سنے

مجھ سے لے لے وہ نگاہ تہہ گزیں
آنکھ میں جو قید رہ سکتی نہیں

آدمی ہے دید، باقی پوست ہے
دید بھی ایسی کہ دیدِ دوست ہے

پھونک دے تن کو وہ پیدا کر بصر (مولانا روم ؒ)
تیرا درماں تو نظر ہے بس نظر

تو کبھی اس آسماں سے بھی نہ ڈر
اس فراخیِ جہاں سے بھی نہ ڈر

وہ زماں ہو تیرے آگے یا مکاں
کھول کر آنکھیں انھیں دیکھ اے جواں

اک نظر بھرپور تو اب ان پہ ڈال
یہ دو ہیں احوالِ جاں کا ایک حال

جز نظر جلوے سے پیش افتادہ ہے
اختلافِ دوش و فردا زادہ ہے

---

* نیند رگ

خاک میں دانہ ہے ظلمت میں نہاں اس نے کب دیکھی فضائے آسماں
وہ کہاں ہے واقفِ جائے فراغ؟ پھولنا پھلنا ہے ممکن شاخ شاخ؟
جوہر اس کا کیا ہے؟ اک ذوقِ نمو ہے مقام اس کا بھی وہ جوہر بھی وہ

تو نے سمجھا محملِ جاں ہے یہ تن
سرِّ جاں کو جان یوں تن پر نہ تن

ان کے احوالوں کا وہ اک حال ہے ہے فریب اک، گر کہیں محمل اسے
کیا ہے جاں؟ جذب و سرور و سوز و درد ذوقِ تسخیرِ سپہرِ گرد گرد!
کیا ہے تن؟ ہونا ہے بہ رنگ و بو ہو کے رہ جانا ہے نذرِ چار سو
ہیں یہ نزد و دور اعجازِ شعور کیا ہے معراج؟ انقلاب اندر شعور
انقلاب آئے یہ جذب و شوق سے جو چھڑائے تجکو تحت و فوق سے
جاں کا اپنی یہ بدن ساتھی نہیں مانعِ پرواز، یہ مٹی نہیں"

زروان کہ روحِ زمان و مکان ہے، مسافر کو

عالمِ علوی کی سیاحت پہ لے جاتی ہے

سن کے یہ میں ہو گیا بے تاب سا تن کا ہر ذرہ بنا سیماب سا
میں نے دیکھا غرب ہو وہ یا کہ شرق تھے سحابِ نور میں افلاک غرق
اک فرشتہ ابر سے ظاہر ہوا تھیں جبینیں جسکے رخ پر دو جدا
کیا کہوں، ممکن نہیں اس کا بیاں اک سراپا آگ تھی تو اک دھواں
مثلِ شب اک تیرہ، اک روشن شہاب ایک کی بیدار آنکھ، اک مستِ خواب
رنگ بازو کا تھا اس کے سرخ و زرد سبز و سیمیں و کبود و لاجورد

زمزم طبیعت میں تھا اسکی اک عیاں
دم میں پہونچے از زمیں تا کہکشاں

ہر گھڑی اس کو ملے تازہ ہوا
تھا فضاؤں میں نئی وہ پر کشا

بولا "میں زروان ہوں قاہر بھی ہوں
ہوں نہاں بھی آنکھ سے ظاہر بھی ہوں

ساری تدبیریں مری تقدیر ہیں
ناطق و صامت مرے نخچیر ہیں

شاخ پر غنچہ مرے دم سے کھلے
آشیاں میں مرغ بھی شیون کرے

دانہ ہو پرواز سے میری نہال
ہجر میرے فیض سے ٹھہرے وصال

ہیں مجھی سے کیا عتاب اور کیا خطاب
تشنہ کرتا ہوں میں دینے کو شراب

ہیں حیات اور میں ممات اور میں نشور
میں حساب و دوزخ و فردوس و حور

دام میں میرے ملک اور آدمی
میرا بیٹا عالم شش روزہ بھی

پھول کی صورت کھلیں عریاں ہوں میں
یعنی ہر شے کی سمجھ لے ماں ہوں میں

یہ جہاں ہے میرے جادو میں اسیر
میرے دم سے یہ جہاں ہر لحظہ پیر

لی مع اللہ جس کے دل میں بس گیا
توڑے جادو میرا وہ مردِ خدا

چاہتا ہے چھوٹنا مجھ سے اگر
عینِ جاں سے لی مع اللہ ورد کر!"

جانے کیا اس کی اُن نظروں میں تھا
میری نظروں سے یہ عالم چھپ گیا

تھا نظر کے سامنے عالم نیا
یا یہی عالم دگرگوں ہو گیا

اس جہانِ رنگ و بو سے کٹ گیا
عالمِ بے ہائے و ہو میں جی اٹھا

اس کہن عالم سے رشتہ کیا کٹا
اک جہانِ تازہ تر ہاتھ آگیا

اس جہاں کے چھوٹنے کا غم تھا گر
جاگا مٹی میں مری عالم دگر

تن سبک تر تھا تو جاں سیار تر
چشمِ دل بینندہ و بیدار تر

ایک یک کر کے ہر اک پردہ اٹھا
گیت اک نادوں کا میں سننے لگا

۔ حاشیہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۳۲

تاروں کا گیت

عقل ہے حاصلِ حیات، عشق ہے سرِّ کائنات
پیکرِ خاک! منتظر تیرا ہے عالمِ جہات

زہرہ و ماہ و مشتری تیرے لیے بنے رقیب
تیری نگاہ کے لیے کشمکشِ تجلّیات

جلوے ہیں راہِ دوست میں تازہ بہ تازہ نو بہ نو
صاحبِ شوق و آرزو ہارے نہ دل کسی کے ہات

صدق و صفا ہے زندگی نشو و نما ہے زندگی
اُٹھ کہ ازل سے تا ابد ملکِ خدا ہے زندگی

شوقِ غزل سرا کو دے رخصتِ ذوقِ ہائے و ہو
رندی و محتسب کو کر بادہ عطا سبو سبو

شام و عراق و ہند کو خوئے نبات پڑ گئی
خو بہ نبات کردہ کو دے کوئی تلخ آرزو

تا کہ یمِ بلند موج سے ہو نبرد آزما
وہ دلِ آبجو کو دے لذتِ سیلِ تند رو

مردِ فقیر آگ ہے، میری و قیصری ہے خس
فال[۵] و فرِ ملوک کو حرفِ برہنہ ایک بس

دبدبۂ قلندری، طنطنۂ سکندری
وہ ہمہ جذبۂ کلیم، اور یہ سحرِ سامری

اُس کی نظر پیامِ مرگ، فوج سے یہ کرے ہلاک
وہ ہے تمام آشتی اور یہ جنگ و داوری

ہر دو جہاں کشا ہیں اور ہر دو ہیں طالبِ دوام
یہ ہے دلیلِ قاہری، وہ ہے دلیلِ دلبری

ضربِ قلندری لگا سدِّ سکندری گرا
رسمِ کلیم تازہ کر، رونقِ ساحری مٹا

---

۵ شان و شوکت
۶ حاشیہ صفحہ ۳۰۔ تلمیح بہ حدیث شریف لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ترجمہ (میرا خدا کے ساتھ ایک ایسا وقت گزرتا ہے جس میں نہ کوئی مقرب فرش
میرے پاس آسکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل (یعنی میں فنا فی اللہ ہو جاتا ہوں)

فلکِ قمر

فلکِ قمر

وہ مہ و پرویںؔ، یہ ارض و سما
اپنی وہ میراث، یہ ملکِ خدا

جو بھی اس رہ میں نظر آئے تجھے
اک نگاہِ آشنا سے دیکھ اُسے

اپنی بستی میں نہ بن تو اجنبی
اے ز خود گم! ہو ذرا بیباک بھی

سر جھکا کر حکم یہ تیرا سُنے
گر کہے تو 'یہ نہ کر' 'وہ کر' کرے!

کیا ہے یہ عالم؟ بُتانِ چشم و گوش!
جس کا ہر فردا ہے فانی مثلِ دوش

مانگے ہے دشتِ طلب، دیوانہ پن
اس صنم خانے کا ابراہیمؑ بن

تو زمین و آسمان جب طے کرے
یہ جہاں اور وہ جہاں جب طے کرے

گر طلب حق سے نئے سات آسماں
سو زماں دیگر تو دیگر سو مکاں

خود فراموشی سرِ جوئے بہشت
بے نیاز از حرب و ضرب و خوب و زشت

ٹھہرے ترکِ جستجو ہی گر نجات
خلد سے اچھی ہے گور اے خوش صفات

اے مسافر! دشمنِ جاں ہے مقام
زندہ تر کرتی ہے پروازِ مدام

ہم سفر ہونا ستاروں کا ہے خُوب
ایک دم کو بھی نہ دم لینا ہے خوب

جب فضاؤں میں ہوائیں پر کشا
تھا جو بالا زیر وہ ہونے لگا

خاکِ تیرہ برتر از قندیلِ شب
سایہ میرا میرے سر پر اے عجب!

ہر دم نزدیک تر نزدیک تر
تب نظر آیا کہستانِ قمر

ہ مہ و پرویں

رومی بولے "ریب و شک سے پاک ہو
خوگر رسم و رہ افلاک ہو

چاند ہم سے دور ہم سے آشنا
ہے قدم پہلا یہ اپنی راہ کا

دید کے قابل ہے اس کا روزگار
دیدنی ہیں اس کے کہساروں کے غار

وہ سکوت اور وہ کہستاں ہولناک
اندروں پرسوز، بیروں چاک چاک

کوہسار خافطین° و یلدرم
دود برلب اور آتش در شکم

سبزہ اس کی خاک میں اگتا نہ تھا
اور نہ تھا کوئی پرندہ پر کشا

ابر بے نم اور ہوائے تند و تیز
تھے زمین مردہ سے محو ستیز

عالم فرسودہ تھا، بے رنگ و صوت
تھا نشان زندگی اس میں نہ موت!

واں نہیں تھا ریشۂ نخل حیات
اس کے دامن میں نہیں تھے حادثات

گرچہ ہے فیض آشنائے آفتاب
صبح و شام اس کے نہ لائیں انقلاب

رومی بولے "ہاں قدم آگے بڑھا
دولت بیدار کو اب مت گنوا

ہے نہاں اس کا عیاں سے خوب تر
غار میں پوشیدہ ہے عالم دگر

جو بھی پیش آئے یہاں اے مرد ہوش
قید کریں اس کو تیرے چشم و گوش

چشم بینا ہے تو سب ہے دیدنی
تول میزان نظر میں آگہی

میں جہاں لے جاؤں میرے ساتھ چل
ہو کے تو بیگانہ سب سے چل نکل

ہاتھ آہستہ سے میرا کھینچ کر
تیز تیز آئے سر غار قمر

° چاند کے آتش فشاں پہاڑوں کے فرضی نام

عارفِ ہندی جو چاند کے ایک غار میں خلوت گزیں ہے
اور اہلِ ہند اُسے 'جہاں دوست' کہتے ہیں!

یں تو اندھوں کی طرح چلنے لگا — دوش پر رومی کے ہاتھ اپنا رکھا
لمت ایسی چاند کا دل داغ داغ — ہو جہاں سورج بھی محتاجِ چراغ
ملہ آور مجھ پہ وہم و شک ہوئے — دار پر ہوش و خرد کھینچے گئے
ہزنوں سے پُر وہ ساری راہ تھی — لذتِ صدق و یقیں سے دل تہی
لوے جب ہونے لگے واں بے حجاب — صبح روشن ہوگئی بے آفتاب
ہر اس وادی کے تھے زنار بند — ہر طرف تھے نخل ہائے سر بلند
سرشت اس کی ہے آب و خاک سے؟ — یا دکھائے ہیں یہ نقشے نیند نے؟
ا ہوا میں اس کی مٹی کا سا گرد — خاک کے بوسے سے سایہ عینِ نور
ے زمیں پر تھا سپہرِ لاجورد — نے کناروں پہ شفق تھی سرخ و زرد
ر اُس کا قیدِ ظلمت میں نہ تھا — اور دھوئیں سے دُور تھے صبح و مسا
یرِ نخل اک عارفِ ہندی نژاد — آنکھیں اُس کی سُرمے سے روشن سواد
ل تھے سر پر بندھے عریاں بدن — جس پہ تھا مارِ سفید اک حلقہ زن
ب و گل سے شخص بالاتر وہ تھا — عالم اس کے دھیان سے پیکر بنا
ے نیازِ گردشِ ایام تھا — چرخِ گردوں سے نہ اس کو کام تھا

"ساتھ ہے یہ کون؟" رومی سے کہا
"آرزوئے زندگی سے جھومتا!"

رومی

تجو کے ذوق سے آوارہ ہے — فطرت اس کی فطرتِ سیارہ ہے
کی خامی سے ہیں پختہ اس کے کام — میں ہوں اس کی ناتمامی سے تمام

چرخِ گردوں اس کے شیشے کا ہے طاق
فکر بھی جبریل سے چاہے صداق°

صید کرنا چاہتا ہے ماہ و مہر
کرنے نکلا ہے طوافِ نہ سپہر

حرفِ رندانہ عجب کہتا ہے وہ
بتکدہ جنت کو اور بُت حور کو!

ہیں دھوئیں میں اس کے شعلے، مرحبا!
اس کے سجدوں میں عیاں ہے کبریا

ہر گھڑی نالندہ ہے وہ مثلِ نال
اس کا دشمن ہجر ہو وہ یا وصال

کیا پتہ کیا اس کی آب و گِل میں ہے
کیا مقام اس کا ہے، کس منزل میں ہے

جہاں دوست

رنگ سے عالم ہے، بے رنگی خدا
کیا ہے عالم؟ کیا ہے آدم؟ حق ہے کیا؟

رومی

آدمی شمشیر، حق شمشیر زن
عالم اس شمشیر کا سنگِ فسن

شرق دیکھے حق کو، عالم کو نہیں
چھوڑ کر حق، غرب ہے عالم گزیں

آنکھ حق پر کھولنا ہے بندگی
دیکھنا بے پردہ خود کو زندگی

زیست سے جب بندہ لیتا ہے برات
پھر خدا بھی اس کی پڑھتا ہے صلوٰت

اپنی جو تقدیر سے آگہہ نہیں
سوزِ جاں بھی اس کے پھر ہمرہ نہیں

جہاں دوست

ہے وجود اس پر عیاں، ظاہر عدم
شرق نے اسرار یہ جانے ہیں کم

° ــــ رونمائی

کام ہم افلاکیوں کا کیا ہے؟ دید!
اس کے فردا سے نہیں ہم نا اُمید

قشمرود° اک کوہ ہے یاں چاند پر
اک فرشتہ اس پہ کل آیا نظر

ذوقِ دیدار اس کی نظروں سے عیاں
دیکھتا تھا وہ ہمارا خاکداں

"راز ہم سے مت چھپا" میں نے کہا
"کہہ وہاں تجکو نظر آتا ہے کیا؟

دِل جمالِ زہرہ سے پگھلا ترا؟
یا وہ بابل کے کنوئیں میں جا گرا؟"

بولا "ہنگامِ سحر ہے مرحبا!
اک نیا سورج ہے نکلا چاہتا

پھوٹتے ہیں لعل سنگِ راہ سے
آتے ہیں یوسف بھی باہر چاہ سے

جس طرف دیکھو قیامت ہے بپا
کوہساروں پہ ہے طاری لرزہ سا

اس نے چھوڑا وہ مقامِ آذری
تا ہو خود گر، کر کے ترکِ بُت گری

اے خوشا وہ قوم جاں کر کے تپاں
اپنی مٹی سے کرے خود کو عیاں

عید ہے ہم عرشیوں کی اس گھڑی
جس گھڑی میں آنکھ مِلّت کی کھلی"

پیرِ ہندی نے ذرا اک دم لیا
مجکو بے تابانہ دیکھا، پھر کہا

"کیا ہے مرگِ عقل یہ بتلا ذرا؟"
"وہ تو ترکِ فکر ہے" میں نے کہا

اُس نے پھر پوچھا "ہے دل کی موت کیا؟"
"ہے وہ ترکِ ذکر" پھر میں نے کہا

"تن؟" کہا میں نے کہ "زاد از گردِ راہ!"
"جاں؟" کہا میں نے کہ "رمزِ لا اِلٰہ"

"کیا ہے آدم؟" مجھ سے پھر وہ پوچھ اٹھا
"اس کے ہے اسرار سے" میں نے کہا

"کیا ہے عالم، کیا بتا سکتا ہے تو؟"
"وہ تو ہے" میں نے کہا "خود روبرو"

پوچھا "یہ علم و ہنر؟" میں نے کہا
"پوست ہے بس پوست اے مردِ خدا"

"اور حجّت کیا ہے؟" پھر وہ پوچھ اٹھا
"وہ تو روئے دوست ہے" میں نے کہا

° فرضی نام

"عامیوں کا دیں؟" کہا میں نے "شنید" "عارفوں کا دیں؟" کہا میں نے کہ "دید"

اس کی لذت کش ہوئی جانِ حزیں
مجھ پہ کھولے نکتہ ہائے دل نشیں

عارفِ ہندی کے نو اقوال

(۱)

ذاتِ حق کو کب ہے یہ عالم حجاب
غوطے میں حائل نہیں ہے نقشِ آب

(۲)

دوسرے عالم میں جانا خوب ہے
تاکہ تجکو اک شبابِ نو ملے

(۳)

حق ورائے مرگ اور عینِ حیات
بندہ مرجائے تو وہ سمجھے نہ بات
گرچہ ہم ہیں طائرِ بے بال و پر
حق سے علم مرگ میں افزوں مگر

(۴)

وقت کہتے ہیں کسے ؟ ہے وقت کیا؟
زہر شیرینی میں ہے گویا گھُلا!
اک ادا یہ بھی ہے ظالم وقت کی
رحمتیں ہیں قہر میں گھولی ہوئی
خالی اس کے قہر سے صحرا نہ شہر
جو گذر جائے سمجھ اس کا ہے مہر

(۵)

کافری ہے موت اے روشن نہاد
مُردے سے غازی کرے کیونکر جہاد
مردِ مومن زندہ، خود سے محوِ جنگ
خود پہ جھپٹے جیسے آہو پر پلنگ

(۶)

جو حَرم کے اندر آکر سوگیا
ایسے اک دیں دار سے سو مرتبہ
کافرِ بیدار دِل اچھا ہے وہ
بُت کے آگے جاگتا رہتا ہے جو

(۷)

آنکھ اندھی ہے جو دیکھے نا صواب
رات کی صورت نہ دیکھے آفتاب

(۸)

گِل کی صحبت دانے کو کر دے درخت
صحبتِ گل سے ہے آدم تیرہ بخت
گِل سے دانے کو ملے وہ پیچ و تاب
جو کرے صیدِ شعاعِ آفتاب

(۹)

میں نے پوچھا گُل سے "بول اے سینہ چاک
کیسے رنگ و بُو تجھے دیں باد و خاک؟"
بولا گل "اے ہوشمندِ رفتہ ہوش
دے خبر جیسے تجھے برقِ خموش
جذبِ این و آں سے میرے تن میں جاں
تیرا پیدا جذب اور میرا نہاں"

○

جلوۂ سروش

گفتگو کے کر دیئے بند اُس نے در
ہو گیا خود مست سب کچھ بھول کر

اس پہ ذوق وشوق وہ طاری ہوا
جس نے اس کو چھین خود اس سے لیا

اِس طرح روشن ہوا اس کا وجود
تھا بس اک اعجازِ نیرنگِ شہود

ذرّے اس کے سامنے مانندِ طور
بے حضور اس کے نہ نور و نے ظہور

اِک حسینہ اس طلسمی رات میں
اک ستارہ سا اندھیری رات میں

گیسوؤں کا سنبلستاں تا کمر
رُخ سے کسبِ ضو کریں کوہ و کمر

غرقِ شوقِ جلوۂ مستانہ تھی
نغمہ خواں وہ مستِ بے پیمانہ تھی

گھومے اس کے آگے فانوسِ خیال
ذو فنوں مثلِ سپہرِ دیر سال

پیکر اس فانوس میں تھے رنگ رنگ
شکرہ چڑیا پر تو آہو پہ پلنگ

میں نے رومی سے کہا "دانائے راز!
کر خدارا مجھ پہ کچھ افشائے راز"

بولے "یہ چاندی سا پیکر تابناک
زادۂ اندیشۂ یزدانِ پاک

ہو گیا تپ کر بہ صد ذوقِ نمود
جلوہ آرائے شبستانِ وجود

ہے ہماری طرح سے غربت نصیب
تو غریب اور میں غریب اور وہ غریب

شانِ جبریلی ہے نام اس کا سروش
ہوش چھینے اور بخشے بھی وہ ہوش

غنچہ اپنا اس کی شبنم سے کھلے
مردہ آتش اس کے دم سے جی اُٹھے

چاک اس سے پردۂ محمل میں ہیں
زخمۂ شاعر ربابِ دل میں ہیں

اس کے نغموں میں اک عالم ہے نہاں
اس سے کر کچھ کسبِ فیض اے نوجواں"

نوائے سروش

ڈر ہے کہ تیری ناؤ ہے موجِ سراب میں
جینا ترا حجاب میں، مرنا حجاب میں
آنکھوں سے میں نے سرمۂ رازی جو دھو دیا
تقدیرِ اُمتاں نظر آئی کتاب میں
گلشن پہ ٹوٹ، کوہ بیاباں پہ پیچ کھا
مرجائے بند اگر رہے بجلی سحاب میں
مجکو وہ کم ہی مغربیوں میں نظر پڑا!
جس شخص کے مقام نہ آئیں حساب میں
گلشن سمیٹ لے کہ میسّر ہو کیفِ قرب
کب تک رہے گی قید تو اے بُو! گلاب میں
زاہد! مجھے قبول کہ فانی تو ہے خودی!
دیکھا نہ تو نے طوفاں ولیکن حباب میں
مطرب کی ضرب سے نہیں یہ صوتِ دلپذیر
مہجورِ خلد حور ہے گریاں رباب میں

وادیٔ یرغمید کی طرف روانگی جس کو فرشتے وادیِ طواسین کہتے ہیں

رومی وہ عشق و محبت کی دلیل
تشنہ لب کو شعر ان کا سلسبیل

"شعر" وہ بولے "جو یکسر آگ ہے
اصل اس کی سوزِ اللہ ھو سے ہے

وہ نوا گلشن کرے خاشاک کو
وہ نوا برہم کرے افلاک کو

وہ نوا حق پر گواہی بن کر آئے
پادشاہی وہ فقیروں کو دلائے

خوں ہے اس سے جسم میں سیّار تر
قلب بھی جبریل سے بیدار تر

الاماں شاعر کا وہ سحرِ ہنر
رہزنِ قلب اور ابلیسِ نظر

شاعرِ ہندی، خدا رکھے اُسے
اس کی جاں بے لذّتِ گفتار ہے

عشق کو خنیاگری اُس نے سکھائی
اہلِ حق کو آذری اُس نے سکھائی

حرف اس کا شوخ اور بے سوز و درد
مُرد٭ کہنا چاہیئے اس کو نہ مَرد

جو نوا پردے سے پردے میں رہی
اُس سے اچھی بڑبڑاہٹ خواب کی

فطرتِ شاعر سراپا جستجو — !
خالق و پروردگارِ آرزو !

سینۂ ملّت میں شاعر مثلِ دل
ملّتِ بے شاعر اک انبارِ گل

سوز و مستی نقش گرِ عالم کی ہے
شعر ورنہ شکل اک ماتم کی ہے

شعر کا مقصد ہو گر آدم گری
شاعری ہے وارثِ پیغمبری"

کیا ہے یہ پیغمبری؟ "میں نے کہا
"سرِّ مخفی اس کا کچھ مجھ کو بتا"

٭ مُرد : مرا ہوا یا مردہ

بولے "اقوام و ملل اس کے نشاں — اس کی مخلوقات یہ اپنے زماں
اس کے دم سے بول اٹھیں سنگ و خشت — ہم ہیں اس کی کشت کے حاصل وہ کشت
کرتی ہے پاک استخوان و ریشہ کو — دے پہ روح الامیں اندیشہ کو
ہائے وہ ہوئے اندرونِ کائنات — اس کے لب سے نور و نجم و نازعات
اس کے سورج کو نہیں کوئی زوال — اس کے منکر کو نہ حاصل ہو کمال
اس کے احراروں کی محبت مہرِ حق — ضربتِ کرّار اس کی قہرِ حق
عقلِ کُل کو بھی مفر اس سے کہاں — دیکھ لیتا ہے بہم وہ جسم و جاں
یہ غمید اب سامنے ہے، گام اٹھا — دیکھ لے جو بھی ہے تجکو دیکھنا

"چاند کی دیوار پہ کر لے بسر
چار طاسینِ نبوت پہ نظر"

شوق کو ہے راہ لمبی چند گام — خستہ کرتا ہے مسافر کو مقام
جب میں سوئے یہ غمید آگے بڑھا — سلسلہ اونچائیوں کا اک ملا
تھا وہ ایسا ارفع و اعلیٰ مقام — سات تارے اس کی گردش میں مدام
فرشی اس کے نور سے روشن ضمیر — سرمۂ خاک اس کا عرشی کو بصیر
حق نے مجکو چشم، دل، گفتار دی — جستجوئے عالمِ اسرار دی

کھولتا ہوں تجھ پہ اب اسرارِ کُل
مجھ سے سن شرحِ طواسینِ رُسل

---

٥ سورہ ہائے قرانی کے نام

طاسینِ گوتم

(رقّاصۂ عشوہ فروش کا تائب ہونا)

گوتم

مئے دیرینہ و معشوقِ جواں کچھ بھی نہیں
پیشِ صاحب نظراں حورِ جناں کچھ بھی نہیں

جو ہے پائندہ و محکم گزراں ہے، وہ بھی
کوہ و دریا ہوں کہ ہوں بحر و کراں، کچھ بھی نہیں

دانشِ مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں
ایک بت خانہ ہے اور طوفِ بتاں کچھ بھی نہیں

ہو خود اندیش اور اس دشت سے ترساں نہ گذر
تو ہے، جو کچھ ہے، وجودِ دوجہاں کچھ بھی نہیں

راہ جو نوکِ مژہ سے ہے بنائی میں نے
اس میں یہ قافلۂ ریگِ رواں کچھ بھی نہیں

در گذر غیب سے، جو کچھ نہیں، جز وہم و گماں
ہے حقیقی یہ جہاں اور سفر از بزمِ جہاں

خلد وہ ہیچ ہے بخشے جو تجھے تیرا خدا
ہو جزا تیرے عمل کی تو بڑی شئے ہے جناں

طالبِ راحتِ جاں! راحتِ جاں کچھ بھی نہیں
غمِ یاراں میں بڑی چیز ہے اک رشکِ رواں

چشمِ مخمور و نگاہِ غلط انداز و سرور
خوب ہے، خوب تر اس سے بھی مگر کچھ ہے یہاں

حسنِ رخسار ہمیشہ نہیں رہنے والا
حسنِ کردار و خیالات ہمیشہ ہے جواں

رقاصہ

اس دلِ بے قرار کو فرصتِ کشمکش نہ دے
ایک دو پیچ اور بھی زلف میں اپنی ڈال لے!

میں نے مہ و نجوم کو تلخی انتظار دی!
برقِ تجلّی ایسی بھی تجھ سے ہے سینے میں مرے

ذوقِ حضور نے رکھی رسمِ صنم گری یہاں
جانِ اُمیدوار کو عشق بڑے فریب دے

تاکہ سکونِ دل سے میں گیت کوئی نیا سُناؤں
طائرِ مرغزار کو پھر کوئی مرغزار دے!

طبعِ بلند دی ہے تو پاؤں سے میرے بند کھول
مجھ سے پلاس کے عوض خلعتِ شہریار لے

تیشہ زنی میں کون سی ایسی بھی خاص بات ہے
عشق تمام کوہسار دوش پہ لے کے چل پڑے

○

طاسینِ زرتشت

(اہرمن کا زرتشت کو آزمانا)

اہرمن

تجھ سے میری خلق نالاں مثلِ نَے — تجھ سے فردِ دیں مرا مانندِ دَے
دہر میں خوار و زبوں مجھ کو کیا — نقش میرے خوں سے ہے رنگیں ترا
حق ترے ہر جلوۂ سینا میں ہے — مرگِ من تیرے یدِ بیضا میں ہے

تکیہ یزداں پہ ہے کرنا ابلہی
اور اس کی رہ پہ چلنا گمرہی

زہر اس کے بادۂ گل فام میں — آرہ و کرم و صلیب انعام میں
جز دُعا ہے نوح کی تدبیر کیا — اور دُعائیں اس کی ہے تاثیر کیا
شہر کو چھوڑ اور ہو خلوت نشیں — نوریوں کے ساتھ ہو صحبت گزیں
اک نظر سے کیمیا کر خاک کو — پھونک دے سوزِ دعا افلاک کو
اور موسیٰ کی طرح آوارہ ہو — نیم سوزِ آتشِ نظارہ ہو
لیکن اس پیغمبری سے ہاتھ اُٹھا — یعنی اس مُلّا گری سے ہاتھ اُٹھا
ناکسوں کے بیچ کس ناکس بنے — شعلے کی فطرت بھی ہو تو خس بنے

٭ تلمیحات بہ قصص پیغمبران

ہے ولایت سے نبوّت بیچ تر
عشق کو پیغمبری ہے دردِ سر
اُٹھ کے ہو کاشانۂ وحدت نشیں
ترکِ جلوہ کر کے ہو خلوت نشیں

زرتشت

نور دریا ہے تو ساحل تیرگی
سیل اُٹھے اس کے نہ سینے میں کبھی
ہیں مرے سینے میں موجیں بیقرار
سیل کرتا ہے سدا غارت کنار
نقشِ بے رنگی کہ ہے سب سے نہاں
اہرمن کے خوں سے کھنچکر ہو عیاں
خود کو باہر لے کے آنا زندگی
ضرب اپنی آزمانا زندگی
پختہ تر ہو کر بلاؤں سے خودی
پردہ در پھر وہ خدا کی بھی ہوئی
مردِ حق بیں حق پہ ہی نظریں جمائے
لا اِلٰہ کہہ کر لہو میں بھی نہائے
غسل خوں سے عشق کی ہے آبرو
آرہ و چوب اس کی عید اللّٰہ ھوٗ!
راہِ حق میں جو بھی پیش آئے بجا
دوست کی نامہربانی مرحبا
نورِ حق مانگوں نہ صرف اپنے لئے
حُسن کو بے انجمن کیوں دیکھئے
کیا ہے خلوت؟ درد و سوزِ آرزو
انجمن ہے 'دید' خلوت، گفتگو
عشق خلوت میں کلیم اللّٰہ ہے
آئے جلوت میں تو شاہنشاہ ہے
خلوت و جلوت کمالِ سوز و ساز
ہر دو حالات و مقاماتِ نیاز
کیا ہے خلوت؟ چھوڑنا دیر و کنشت
اور جلوت؟ سب کو پہونچانا بہشت!
جلوت و خلوت میں ہے گرچہ خدا
ابتدا خلوت ہے، جلوت انتہا

دردِ سر پیغمبری کو تو مجھے — عشق ہو کامل تو آدم گر بنے

ساتھ سب کے حق پہ چلنا خوب ہے
صورت جاں جگ میں جانا خوب ہے

طاسینِ مسیح

حکیم طالسطائی[1] کا خواب

درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ[2] — وادیٔ بے طائر و بے شاخ و برگ
تابِ مہ اس کے دھوئیں سے مثلِ قیر[3] — آفتاب اس کی فضا میں تشنہ میر
رودِ سیماب ایک وادی میں رواں — خم بہ خم مانندِ جوئے کہکشاں
جس کو تھی پست و بلندِ راہ پیچ — تند سیر و موج موج و پیچ پیچ
مرد اک تھا غرق اس میں تا کمر — اس کے لب پہ نالہ ہائے بے اثر
اس کی قسمت میں نہ ابر و آب تھا — تشنہ تھا اور چار سو سیماب تھا
اور ساحل پر تھی اک نازک بدن — آنکھ اس کی قافلوں کی راہ زن
کافری آموز پیرانِ کنشت — زشت خوب اس کی نظر سے خوب زشت
میں نے پوچھا "تو ہے کون اے پُرفسوں! — ہے سراپا نالہ و فریاد کیوں"
بولی "افرنگین میرا نام ہے — ساحری اے دوست! میرا کام ہے
میری آنکھوں میں فسونِ سامری — کام میرا کچھ نہیں جز ساحری

---

[1] مشہور روسی ناول نگار و مصلح [2] فرضی نام [3] تارکول

جوئے سیمیں ہو گئی یخ ناگہاں — ٹوٹتی تھیں اُس جواں کی ہڈیاں
چیخ اُٹھا وہ "آہ! یہ قسمت مری — بے اثر ہیں نالہ و فریاد بھی"
بولی افرنگیں " جو رکھتا ہے نظر — کر ذرا اعمال پر اپنے نظر
ابنِ مریم وہ چراغِ کائنات — نور سے روشن ہیں جس کے شش جہات
آخرش سولی پہ وہ کھینچا گیا — کیا عمل تیرا ہے اور کیا اس کا تھا
اے کہ تجھ پہ لذتِ ایماں حرام — اے پرستار بتانِ سیم خام
قیمتِ روح القدس سے بے خبر — تن خریدا نقدِ جاں کو ہار کر"

ایسا کچھ اس نازنیں کا طعنہ تھا
اس جواں کے دل پہ نشتر سا لگا

بولا "اے گندم نمائے جو فروش — تجھ سے شیخ و برہمن ملت فروش
عقل و دیں ہیں کافری سے تیری خوار — عشق ہے سوداگری سے تیری خوار
تیرا پیار آزار و آزارِ نہاں — کینہ ترا مرگ و مرگِ ناگہاں
آب و گِل کی صحبتوں میں کھو گئی — چھین کر بندے کو حق سے لے اڑی
عقدہ جس حکمت سے اشیاء کا کھلا — فکر کو کی تیری، چنگیزی عطا
ہے جو صاحب جوہر اس پر ہے کھلا — جُرم تیرا جرم سے میرے بڑا
جس کے دم سے جی اٹھا تھا مردہ تن — تجھ سے جاں کو دخمہ[ع] کر ڈالے بدن
تم نے جو کچھ جسم سے اس کے کیا — روح سے وہ اس کی ملت نے کیا

موت ہے تیری جہاں کی زندگی
اک دن اپنا دیکھ لے انجام بھی!"

ے حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں — ع پارسیوں کا قبرستان

طاسینِ محمدؐ

(حرمِ کعبہ میں روحِ ابوجہل کا نوحہ)

ہے محمدؐ سے یہ سینہ داغ داغ — کر دیا گُل اس نے کعبے کا چراغ
قیصر و کسے کا وہ دشمن ہے عیاں — ہم سے چھینے سب ہمارے نوجواں
ایک ساحر کر رہا ہے ساحری — ہیں دو حرفِ لا اِلٰہ خود کافری
دینِ آبا کی بساط اس نے اُٹھائی — عزتِ عزیٰ بھی مٹی میں ملائی
پاش پاش اس نے کئے لات و منات — انتقام اب اس سے لے اے کائنات!
دل دیا غائب کو، حاضر چھوڑ کر — نقشِ حاضر کے فسوں کو توڑ کر
آنکھ کا غائب پہ رکھنا ہے خطا — جو نظر آئے نہ، اس کی اصل کیا
سجدہ غائب کو تو کرنا کورئ ہے — دینِ نو ہے کورؔ، کوری دوری ہے

سجدہ اور پیشِ خدائے شش جہات
ذوق بندے کو نہ بخشے یہ صلوٰت

مذہب اس کا قاطعِ ملک و نسب — ہے قریشی منکرِ فضلِ عرب
اونچ نیچ اس کی نظر میں کب سمائے — ساتھ بٹھلا کر غلاموں کو وہ کھائے
قدرِ احرارِ عرب اس نے گنوائی — حبشیوں سے دوستی اس نے بڑھائی
کالوں کو گوروں کا ہم پلہ کیا — شان پر کنبے کی پانی پھر گیا
بھائی بندی یہ ہے ساری اعجمی — جانتا ہوں میں، ہے سلمانؓ[1] مزدکی

۞ اندھاپن [1] سلمان فارسیؓ مشہور صحابی۔

ابنِ عبداللہ دھوکا کھا گیا
کر دیا عربوں میں اک محشر بپا
عترتِ ہاشم ہوئی ہے خود سے دور
اک دو رکعت میں گیا آنکھوں سے نور
اعجمی کی اصل عدنانی[1] کہاں
گنگ میں گفتارِ سحبانی[2] کہاں
آنکھیں عربوں کی تو اندھی ہو چکیں
کیوں زہیر[3] اب قبر سے اٹھتا نہیں؟

تو ہی صحرا میں ہماری ہے دلیل
توڑ ا فسونِ نوائے جبرئیل

بول پھر اے سنگِ اسود بول پھر
مصطفٰے[4؟] پر راز سارے کھول پھر
اے ہبل! اے ڈھنکنے والے جسم کے
اپنا بے کیشوں سے یہ گھر چھین لے
ان کے گلّے بھیڑیوں کی نذر کر
تلخ کر خرما کو شاخِ نخل پر
ہو چلے صرصر ہوائے بادیہ
اَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَه[4]
اے منات! اے لات منزل سے نہ جاؤ
جاؤ منزل سے تو اس دل سے نہ جاؤ

ہے تمہارا تو ان آنکھوں میں وثاق
مہلتے "اِنْ كُنْتِ اَزْمَعْتِ الْفِرَاق"[5]

○

---

1. عدنان: جدِ عرب   2. سحبان: فصحائے عرب میں سے ایک   3. زہیر: مشہور عرب شاعر

4. آیتِ قرآنی: سورہ الحاقہ (سورہ ۶۹ آیت ۷) "وہ لوگ اندر سے کھوکھلے ہو کر گر پڑنے والے کھجور کے درخت کے تنے کی طرح ہیں۔"

5. مشہور عرب شاعر امراء القیس کے ایک شعر کا ٹکڑا یعنی (اے معشوق) اگر قصدِ جدائی ہی کر چکی ہے تو تھوڑی سی مہلت تو دے۔

فلکِ عطارد

فلکِ عطارد

(زیارتِ ارواحِ جمال الدین افغانی و سعید حلیم پاشا)

طرح اک ڈالی ہے مُشتِ خاک نے
اپنے جلووں کے تماشے کے لئے

ہو گیا ہوں میں اسیرِ ہست و بود؟
یا ہے میرے دام میں سارا وجود؟

مجھ سے ہی اس نیلی چھت میں چاک ہیں؟
اُن سے میں ہوں؟ مجھ سے 'یا' افلاک ہیں؟

یہ فلک ہے قلب میں میرے اسیر؟
یا فلک کے بس میں ہے میرا ضمیر؟

اندروں ہے یہ کہ بیروں؟ کیا ہے یہ؟
ہے نظر میں کیا؟ نہیں کھُلتا ہے یہ!

ہوں نئے اک آسماں پر پر فشاں
ہے نظر کے سامنے اور اک جہاں

جس میں ہیں کہسار و دشت و بحر و بر
اپنی دھرتی سے بھی ہے دیرینہ تر

ابر پاروں سے ہوا جس کا ظہور
دستبردِ آدمِ خاکی سے دُور

نقش کوئی لوح پر اس کی نہیں
کوئی فطرت کا گداگر ہی نہیں

میں نے رومی سے کہا "صحرا ہے خوب
دامنِ کہسار میں دریا ہے خُوب

زندگانی کا نہیں کوئی نشاں
کیسی آتی ہے یہ آوازِ اذاں؟"

رومی بولے "ہے یہ دشتِ اولیا
ہے ہماری خاک سے یہ آشنا

جب سفر جنت سے آدم نے کیا
اِس جہاں میں ایک دو دن دم لیا

اس کی سوزِ آہ ہے دیکھے ہوئے
آہ صبح گاہ ہے دیکھے ہوئے

ہے یہ کچھ ایسا مقامِ ارجمند
جس کے باشندوں کے ہیں رتبے بلند

مقبلاں جیسے فضیلؒ و بو سعیدؒ — عارفاں جیسے جنیدؒ و بایزیدؒ
اٹھ کہ شاید ہم کو مل جائے نماز — اور ہاتھ آجائے کچھ سوز و گداز"
تھے وہاں دو مرد مصروفِ قیام — مقتدی تاتار، افغانی امام
پیر رومی ہر گھڑی مستِ حضور — تھی جبیں پر تابشِ ذوق و سرور
"خاکِ مشرق سے" وہ بولے "با الیقیں — ان سے بہتر دوسرا اٹھا نہیں
کتنے عقدے، کتنے نازک مسئلے — ہاں انھیں کے پاک ناخن سے کھلے
سید السادات مولانا جمال — جن کو سن کر بول اٹھیں سنگ و سفال
ترک رہبر وہ حلیم دردمند — ہیں مقام و فکر سب اس کے بلند
ان کے پیچھے بس دو رکعت اے عزیز — ہے حقیقت میں عبادت اے عزیز
ورنہ ہے یہ کام وہ جس کا صلا — کچھ نہیں ہے رنجِ جنت کے سوا"
ہوگیا قرآں سرا وہ سخت کوش — سورۂ والنجم اور دشت خموش
وجد میں آئیں جیسے سن کر خلیلؑ — جھوم اٹھے روحِ پاکِ جبرئیل
دل جیسے ہوجائیں سن کر ناصبور — شورِ الا اللہ سے گونجیں قبور
اضطراب شعلہ بخشے دود کو — سوز و مستی نغمۂ داؤد کو
اس کی قرارت سے عیاں تھا ہر غیاب — آشکار و بے حجاب ام الکتاب
میں جگہ سے اٹھ پڑا بعدِ نماز — چوما ان کا ہاتھ از راہِ نیاز
رومی بولے "ذرۂ گردوں نورد — اس کے دل میں ہے جہانِ سوز و درد
آنکھ ہے بس خود یہ ہی کھولے ہوئے — دل کہیں ہارا نہیں، آزاد ہے
تنگ ہے اس پر فراخیِ وجود
میں نے نام اس کا رکھا ہے زندہ رود"

افغانی

یہ بتا کیسا ہے اپنا خاکداں؟
وہ زمیں اس کی، وہ اس کا آسماں
ہے جو مثلِ قدسیاں روشن بصر
کچھ مسلمانوں کی دے ہم کو خبر

زندہ رُود

کیا بتاؤں ملّتِ گیتی[۱] شکن
ہے خراب کاہشِ دین و وطن
رُوح مُردہ تن میں لرزندہ یقیں
ناامیدِ قوتِ دینِ مبیں
تُرک و ایران و عرب مست فرنگ
حلق میں ہر ایک کے شستِ[۲] فرنگ
شرق سلطانیِ مغرب سے خراب
اشتراکیّت نے چھینی دیں سے تاب

افغانی

(دین و وطن)

لُرڈِ[۳] مغرب وہ سراپا مکر و فن
اہلِ دیں کو دے گیا درسِ وطن
فکر مرکز اس کو، تو مستِ نفاق
چھوڑ یہ شام و فلسطین و عراق
تجکو ہوتی گر تمیز خوب و زشت
دل اُڑا لیتے نہ تیرا سنگ و خشت
دین کیا ہے؟ چھوڑ دینا روئے خاک
تاکہ ہو آگاہ خود سے جانِ پاک

۱۔ دنیا ۲۔ پھندا ۳۔ لُرد: لارڈ کا مؤنث ۴

قعرِ[1] جاں سے جو کہے اللہ ھُو
تنگ ہے اس پر نظامِ چار سُو

خاک سے ہے کاہ[2]، اس کی اصل خاک
حیف اگر مٹی میں جاں دے جانِ پاک

گرچہ آدم آب و گِل سے ہے بہم
مثلِ گل لے آب و گل سے رنگ و نم

حیف اسی میں ہو اگر غلطاں مدام
حیف اگر چھوڑے نہ یہ اسفل مقام

تن کہے، ہو نذرِ خاکِ رہ گذر
جاں کہے، پہنائیوں پر کر نظر

جاں نہیں رہنِ جہات اے ہوشمند
مردِ حُر بیگانۂ ہر قید و بند

حُر خروشاں خاکِ تیرہ سے سدا
ہوگا کارِ موش شاہینوں سے کیا؟!

خاک وہ تو جس کو کہتا ہے وطن
مصر ہے یہ اور وہ ایراں یہ یمن

ہے بڑی شئے نسبتِ پاکِ وطن
ہے طلوعِ امت از خاکِ وطن

پر اسی نسبت میں تو دیکھے اگر
نکتہ ہے اک بال سے باریک تر

گو ہے مشرق سے طلوعِ آفتاب
با تجلّی ہائے شوخ و بے حجاب!

تاب و تب ہیں ہے خود اپنے سوز سے
تاکہ سمتوں کے گہن سے چھٹ سکے

جلوہ آرا پہلے مشرق سے ہوا
پھر تمام آفاق پر قبضہ کیا

روئے نسبت سے ہے گو وہ خاوری
مشرق و مغرب سے فطرت ہے بری

○

---

[1] جان کی گہرائی [2] گھاس

اشتراکیت و ملوکیت

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل۱؎
یعنی وہ پیغمبر بے جبرئیل

کیونکہ حق ہے اس کے باطل میں چھپا
مومن اس کا قلب، کافر ذہن تھا

غربیوں نے گم کیا افلاک کو
پیٹ میں ڈھونڈیں وہ جانِ پاک کو

رنگ و بُو تن سے نہ پائے جانِ پاک
اور تن پر ہے مدارِ اشتراک

مذہبِ پیغمبرِ حق ناشناس
اس کی میزان شکم پر ہے اساس

اصلِ اخوت کی جو ہے تو دل میں ہے
یہ غلط سمجھا کہ آب و گِل میں ہے

ہے ملوکیّت سے تن کو فربہی
سینۂ بے نور سے ہے دل تہی

جس طرح زنبور۲؎ آکر پھول پر
شہد لے لے پتیوں کو چھوڑ کر

شاخ و برگ و رنگ و بوئے گل وہی
اس کے آگے نالۂ بلبل وہی

اس طلسمِ رنگ و بُو سے بھی گذر
چھوڑ صورت، کر معانی پر نظر

مرگِ باطن دیکھنا آساں نہیں
گِل نہ کہہ اس کو، وہ گِل۳؎ ہے بالیقیں

ہر دو میں جاں ناصبور و ناشکیب
ہر دو یزداں ناشناس، آدم فریب

زندگی اس کو خروج اس کو خراج
پتھروں کے بیچ ہے آدم زجاج

علم و دین و فن کی یاں میّت اُٹھے
جاں وہ کھینچے تن سے، روٹی ہاتھ سے

دونوں کے دونوں ہیں غرقِ آب و گل
ہر دو کا روشن ہے تن، تاریک دل

۱؎ کارل مارکس مراد ہے جو نسلِ خلیل سے یعنی یہودی النسل تھا جس کی مشہور کتاب کا نام "سرمایہ" ہے
۲؎ شہد کی مکھی ۳؎ مٹی

زندگی جلنے جلانے کا ہے نام   اور یونہی اس کو بناتے کا ہے نا

یہ ہمارا جسم ہے انبارِ گِل¹
اور گِل میں ڈالنا ہے تخمِ دل

سعید حلیم پاشا

(شرق و غرب)

غربیوں کو زیرکی سازِ حیات   شرقیوں کو عشق رازِ کائنا
عشق ہی سے زیرکی ہے حق شناس   زیرکی بھی عشق سے محکم اسا
زیرکی سے عشق جب ہم بر ہوا   نقشبندِ عالمِ دیگر ہو
اُٹھ نئی دنیا کا رکھ نقش اے پسر   عشق کو پھر زیرکی آمیز
شعلۂ افرنگیاں نم خوردہ ہے   آنکھ ہے صاحب نظر، دل مُردہ
زخم کھائیں وہ خود اپنی تیغ سے   صید کی صورت تڑپتے رہ گ
سوز و مستی تاک میں ان کے نہیں   عصرِ نو افلاک میں ان کے نہی

زندگی بخش آگ ہے ان کی مدام
اک نئی دنیا بنانا تیرا کام

مصطفٰے² جس نے رکھا نقشِ نوی   بولا مت چھوڑ ایک نقشِ کہنہ بھ
کعبے کو ملتا نہیں رختِ حیات   آئیں گر افرنگ سے لات و منا
ترک کا آہنگِ نو بے چنگ ہے   اس کا تازہ کہنۂ افرنگ ہ

۱۔ انگور کی بیل   ۲۔ مصطفیٰ کمال پاشا

اس کے سینے میں دم دیگر نہیں — اُس کے دل میں عالمِ دیگر نہیں
عالمِ موجود سے گھل مل گیا! — مثلِ موم اس کی تپش سے گھل گیا
طرفگی ہے عینِ جانِ کائنات — منکرِ تقلید، تقویمِ حیات
زندہ دل خلاقِ اعصار و دہور[2] — اس کی جاں تقلید سے ہے بے حضور
گر مسلمانوں سا رکھتا ہے جگر — گر ضمیر و دل یہ، قرآں پر نظر
آیتوں میں اس کی تازہ صد جہاں — اس کے اک لمحے میں ہیں کتنے زماں
عصرِ حاضر کو جہاں اس کا ہے بس — سن لے گر سینے میں دل ہے نکتہ رس
اک نشانی حق کی ہے 'مومن ہے کیا — ہر جہاں اس کے بدن پر اک قبا

جب پرانی ہو چلے اس کی قبا
اس کو قرآں بخشتے عالم دوسرا

زندہ رود

اپنی کشتی ہے رواں بے ناخدا — عالمِ قرآں کہاں ہے کیا پتا؟

افغانی

ہے ہمارے سینے میں وہ گم ہنوز — کر رہا ہے انتظارِ قُم[1] ہنوز
عالمِ قرآں ہے حیرت آفریں — امتیازِ رنگ و خوں جس میں نہیں
عالمِ قرآں کی شام پُر ضیا — صبح ہے افرنگ کی روشن سوا
اس میں فرقِ بندہ و سلطاں کہاں — قلبِ مومن کی طرح ہے بیکراں
آہ! وہ بس اک نظر کا فیض تھا — جانِ فاروقیؓ میں تخم اس کا پڑا

۱ اُٹھ   ۲ عصر و دہر کی جمع

لازوال اس کی ہے ہر اک واردات ۔ تو بہ تو ہیں برگ و بارِ محکما...
اس کے باطن کو تغیر ہے نہ غم ۔ اس کا ظاہر انقلاب دم بہ د...
تیرے اندر ہے وہ دیکھ اے خوش صفات ۔ تجکو بتلاتا ہوں اس کے محکما...

محکماتِ عالمِ قرآنی

۱۔ خلافتِ آدم

ہر دو عالم میں عیاں آثارِ عشق ۔ ابنِ آدم پیکرِ اسرارِ عشق
عشق کب ہے عالمِ ارحام سے ۔ سام و حام[1] و روم سے یا شام سے
کوکب بے شرق و غرب و بے غروب ۔ اس کی گردش بے شمال و بے جنوب
حرفِ انی جاعل[2] کا رازداں ۔ اس کی تفسیر از زمیں تا آسماں
اس کے ہیں احوال سب حشر و مزار ۔ اس کے اعمال اس جہاں کا نور و نار
خود امام و خود صلوٰۃ و خود حرم ۔ خود مداد[3] و خود کتاب و خود قلم
دہر ہے دہرِ غیب ہو اس کا حضور ۔ ملک اس کا بے حدود و بے ثغور
اس کے دم سے اعتبارِ ممکنات ۔ اعتدال اس کا عیارِ ممکنات
وہ تو ہے بس ایک بحرِ بیکراں ۔ اس کے دل میں غرق ادوار و زماں
قلبِ آدم میں یہ عالم سب سمائے ۔ اور اس عالم میں آدم کب سمائے
اس کی جلوت سے نمایاں مہر و ماہ ۔ اس کی خلوت میں نہ لے جبریل راہ

برتر از گردوں مقامِ آدمی
اصلِ تہذیب احترامِ آدمی

۱: نسلوں کے نام ۲: انی جاعل فی الارض خلیفۃ : آیۂ قرآنی ۳: روشنائی

زندگی اے زندہ دل ہے بس یہی
"عشقِ یک بیں در تماشائے دوئ

مرد و زن کرتے ہیں با صد دلبری
کائناتِ شوق کی صورت گر

زن نگہبان زندگی کی آگ کی
فطرت اس کی زیست کی لوحِ جل

جان پہ اپنی ہماری آگ لے
جوہر اس کا خاک کو آدم کرے

اس میں پنہاں ممکناتِ زندگی
اس کی تابش سے ثباتِ زندگ

سوز میں اس کے وہ رحمت ہے چھپی
جان و تن کی جو کرے صورت گر

ہیں اسی سے اپنی سر افرازیاں
ہم سب اس کی نقشبندی کا نشا

حق نے تجھ تابِ نظر دی ہے اگر
پاک ہو، کر اس کی پاکی پر نظر

دل سے تیرے لے اڑا یہ عصرِ تاب
فاش کرتا ہوں سب اسرارِ حجاب

ذوقِ تخلیق ایک آتش در بدن
اس کی تابش سے فروغِ انجمن

جس نے بھی پایا اس آتش سے نصیب
اپنے سوز و ساز کا ٹھہرے رقیب

آنکھ رکھے نقش پہ اپنے سدا
تا، نہ بگڑے لوحِ نقش اک دوسرا

غار میں مولاؐ رہے خلوت گزیں
خود سے ہٹ کر اور کچھ دیکھا نہیں

ان کی خلوت سے ہوئی ملت عیاں
ان کے دل پر نقش یہ بیٹھا وہاں

حق کا تو انکار ممکن ہے کبھی
کون جھٹلا سکتا ہے شانِ نبیؐ

گو ہے جاں روشن تری مثلِ کلیم
ہیں ترے افکار بے خلوت عقیم

ذوقِ خلوت سے تخیل زندہ تر
زندہ تر، جوئندہ تر، یابندہ تر

علم ہو یا شوق، ہے اتنی سی بات،
ہیں یہ دونوں ہی مقاماتِ حیات

ے بانجھ

مختصر یہ ہے کہ اے والاصفات — ہیں یہ دونوں خوشہ چینِ واردات
علم لذتِ کوششِ تحقیق ہے — عشق لذتِ کوششِ تخلیق ہے
صاحبِ تحقیق کو جلوت عزیز — صاحبِ تخلیق کو خلوت عزیز
جب طلب دیدار موسیٰ نے کیا — تھا وہ جذبہ لذتِ تحقیق کا
لن ترانی میں ہیں سو نکتے دقیق — ڈوب کر تو دیکھ یہ بحرِ عمیق
ہر طرف بے پردہ آثارِ حیات — اصل ہے اس کی ضمیرِ کائنات
دیکھ اس ہنگامۂ آفاق کو — زحمتِ جلوہ نہ دے خلّاق کو

حفظِ ہر نقش آفریں خلوت سے ہے
اس انگوٹھی کا نگیں خلوت سے ہے

۲۔ خدا کی حکومت

بندۂ حق کو نہیں قیدِ مقام — وہ کسی کا نے کوئی اس کا غلام
بندۂ حق بندۂ آزاد ہے — ملک اور آئیں اُسے حق نے دیئے
رسم و رہ آئین و دیں حق کی عطا — خشک و تر زشت و حسیں حق کی عطا
عقل کے آگے نہیں بہبودِ غیر — دیکھے سود اپنا، نہ دیکھے سودِ غیر
وحیِ حق دیکھے سبھی کا فائدہ — سامنے اس کے سبھی کا ہے بھلا
صلح ہو یا جنگ عدل اس کا نظام — لا یُراعی لا یخاف اس کا پیام
غیر حق جب ناہی و آمر ہوا — ناتواں پر زور ور قاہر ہوا

قاہری سے ہے جہاں میں آمری
ماسوا اللہ آمری ہے کافری

لا نہ کسی سے رعایت کرے نہ کسی سے خوف کھائے۔

قاہرِ آمر کہ جب ہو پختہ کار — کھینچے گرد اپنے قوانیں کا حصار
جرّہ شاہیں تیز چنگ و زود گیر — اس کے کاموں میں ممولا بھی مشیر!
شرع و آئین قاہری کے واسطے — بے بصیرت سُرمہ اندھوں کے لئے

حاصلِ آئین و دستورِ ملوک
دِہ خدا[1] فربہ ہیں، دہقاں مثلِ دوک[2]

آہ! یہ دستورِ جمہورِ فرنگ — مردہ تر کردے ہر اک صوُرِ فرنگ
اس مداری کی نظر میں بے گماں — نرد کی صورت ہیں اقوامِ جہاں
رنج کش ہیں یہ تو وہ ہے گنج ور — تاک میں اک دوسرے کی ہیں مگر
کھول کر کہیئے جو سرِّ دلبری — مال ہیں ہم وہ کریں سوداگری
آنکھ بے نم، دل میں حبِّ سیم و زر — بوجھ ہیں اک ماؤں کے حق میں پسر
آہ! وہ ملت کہ پھل کے خوف سے — نم شجر ہی میں کہیں رہنے نہ دے
زخمہ جب بخشے نہ تاروں کو سرود — مار دے نازادہ[3] کو قبل از وجود
گرچہ اس کے طور سب ہیں رنگ رنگ — مجھکو جز عبرت نہ دے کچھ بھی فرنگ

چل نہ اس کی راہِ خام، آزاد ہو
دامنِ قرآں کو تھام، آزاد ہو

○

١- زمیندار
٢- چرخے کا تکلا
٣- جو ابھی پیدا نہیں ہوا لیکن شکمِ مادر میں وجود پا چکا ہو۔

۳. زمین خُدا کی مِلکیت ہے

سرگزشتِ آدمِ خاکی ہے یہ — بہرِ خاک ان گنت جنگیں، معرکے
اک دلہن اور اس کے شوہر ہم سبھی — سب کی ہو کر وہ بھلا کس کی ہوئی
مکر و فن ہے اس کے یہ عشوے ہیں کیا — واسطہ تجھ سے نہ مجھ سے واسطہ
کام آئیں کیا ترے سنگ و حجر — تو سفر میں ہے یہ اسبابِ حضر
خُفتہ و بیدار کا رشتہ ہی کیا — ثابت و سیّار میں کیا واسطہ
حق نے دھرتی کو کہا اپنی متاع — مفت ہے ہاں مفت یہ ساری متاع
بات سُن میری یہ گوشِ ہوش سے — اُس سے رزق و گور لے، اس کو نہ لے
بود ہے تو اور وہ کیا ہے؟ نبود! — تو وجود اور وہ نمودِ بے وجود
تو ہے شاہیں طائفِ افلاک ہو — کھول دے پر! خاک سے یوں پاک ہو

باطنِ الارضُ لِلّٰہ کُھل گیا
جو نہ دیکھے یہ، وہ ہے کافر کھُلا

میں نہیں کہتا ہٹا یہ کاخ و کو — تیری دولت ہے جہانِ رنگ و بُو
دانہ دانہ خاک سے چُن لے گہر — باز پکڑے جیسے صید افلاک پر
تیشہ اپنا اس کے کہساروں پہ مار — نور سے کر اپنے روشن اس کی نار
آذری کے طور سے بیگانہ باش — اپنی مرضی پر جہانِ نو تراش
رنگ و بُوئے کاخ و کو کو دل نہ دے — دلِ حریم اس کا ہے، رکھ اس کے لئے
کیا ہے حُبِّ نقرہ و فرزند و زن — یعنی دینا جان بے گور و کفن
جس نے حرفِ لا الٰہ ازبر کیا — اپنے قطرے کو سمندر کر لیا

فقر جوع و رقص و عریانی نہیں
فقر سُلطانی ہے رہبانی نہیں

۴۔ حکمت خیر کثیر ہے

حق نے حکمت کو کہا خیرِ کثیر
تو جہاں بھی خیر یہ دیکھے بگیر
علم حرف وصوت کو دیتا ہے پر
دے وہ ناگوہر کو پاکیٔ گہر
علم کی اوجِ فلک تک بھی ہے راہ
تاکہ چشم مہر سے چھینے نگاہ!
نسخہ اس کا، نسخۂ تفسیرِ کُل
اس کی کاوش سے بندھی تقدیرِ کُل
دشت کو دے حکم تو لائے حباب
بحر کو دے حکم تو لائے سراب
اس کے آگے وارداتِ کائنات
تاکہ دیکھے محکماتِ کائنات
دل بندھے حق سے تو ہے پیغمبری
حق سے ہو بیگانہ تو ہے کافری
علم ہے بے سوزِ دل شر صرف شر
نور اس کا ظلمتِ صد بحر و بر
عالم اس کے غازے سے کور و کبود
ہے بہار اس کی خزانِ ہست و بود
بحر و دشت و کوہسار و باغ و راغ
اس کے طیّارے کے بم سے داغ داغ
سینۂ افرنگ میں نار اُس سے ہے
لذتِ شب خون و یلغار اس سے ہے
بخشتے سیر واژگوں ایّام کو
لے اُڑے سرمایۂ اقوام کو
اس کی قوت کا بنے ابلیس یار
نُور بھی ہو نار کی صحبت سے نار
مارنا ابلیس کو آساں نہیں
کیونکہ وہ ہے دِل کے اندر گم کہیں
ہے یہی بہتر مسلماں کر اُسے
کشتۂ شمشیرِ قرآں کر اُسے
الاماں اس کا جلالِ بے جمال
الاماں اس کا فراقِ بے وصال
علم ہے بے عشق طاغوتی تمام
علم ہے با عشق لاہوتی تمام

ہ تھام لے۔

بے محبت علم و حکمت مردہ ہے عقل اک تیرِ ہدف ناخوردہ ہے
کور کو لذّت کشِ دیدار کر
بولہب کو حیدرِ کرّار کر

زندہ رُود

کہہ تو ڈالے سارے اسرارِ کتاب پر وہ عالم ہے ابھی زیرِ حجاب
پردہ چہرے سے ہٹاتے کیوں نہیں؟ ہم سے باہر اس کو لاتے کیوں نہیں
سامنے اِک عالمِ فرسودہ ہے جس میں اک ملّت پڑی آسودہ ہے
سوزِ قلبِ کُرد و تاتاری فنا! مرگیا مُسلم کہ قرآں مرگیا

سعید حلیم پاشا

کُفر سے بھی دینِ حق رسوا سِوا کیونکہ کافر گر ہے! در مُلّا ہے کیا!
شبنم اپنی اپنی نظروں میں ہے یمؔ وہ دکھائے یم کو بھی شبنم سے کم
الاماں! ایسا ہے وہ قرآں فروش جس سے ہے روح الامیں محوِ خروش
اُس کا دل افلاک سے بیگانہ ہے اُس کو یہ اُمّ الکتاب افسانہ ہے
حکمتِ دیں سے ہے وہ محروم آہ! ہو کے بے انجم فلک اس کا سیاہ
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملّت اس کے قول سے ہے فرد فرد
مکتب و مُلّا و اسرارِ کتاب کورِ مادر زادؔ و نورِ آفتاب
دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

و سمندر ۔ پیدائشی اندھا۔

مردِ حق جانِ جہانِ چار سُو
ہو گیا خلوت گزیں، اس سے کہو

ہیں ترے افکار مومن کی حیات
ہے نفس سے تیرے ملّت کو ثبات

حفظِ قرآں ہے فقط آئیں ترا
حرفِ حق کو فاش کرنا دیں ترا

سرنگوں ہے کیوں کلیمِ خوش خصال
آستیں سے اپنی ہاتھ اپنا نکال

سرگزشتِ ملّتِ بیضا سُنا
آہوؤں کو وسعتِ صحرا دِکھا

تیری فطرت میں ہے نورِ مصطفےٰ ﷺ
ہے کہاں اپنا مقام؟ اِتنا بتا

وہ کسی کا کیوں اڑائے رنگ و بُو
مردِ حق، حق سے ہی پائے رنگ و بُو

ہر گھڑی ہے اس کے تن میں جان اور
مثلِ حق ہر دم ہے اس کی شان اور

رازہائے مردِ مومن کچھ بتا
شرحِ رمزِ کُلَّ یَوْمٍ[1] بھی سُنا

کارواں کی کیا ہے منزل بجز حرم
اس کا دل حق سے ہے آخر کو بہم

میں نہیں کہتا کہ بدلی اس نے راہ
کارواں بدلا، اگر بدلی نگاہ

افغانی

ہو حدیثِ مصطفےٰ ﷺ تیرا نصیب
دینِ حق آیا زمانے میں غریب[2]

تجھ سے جو میں نے کہا یہ حرفِ بکر
غربتِ دیں کب ہے فقرِ اہلِ ذکر

ہے جو صاحب جستجو اس کے لیے
غربتِ دیں ندرتِ آیات ہے

نوع اس کی ہر زمانے میں دگر
دیکھ یہ نکتہ جو رکھتا ہے نظر

دل کو آیاتِ مبیں سے باندھ لے
عصرِ نو تا دام میں تیرے پھنسے

کھل سکے ہیں کس پہ اسرارِ کتاب
اہلِ شرق و غرب غرقِ پیچ و تاب

[1] کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَان: وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔ سورہ رحمٰن (۵۵/۲۹) پاک۔
[2] صحیح حدیث الاسلام جاء غریبا اسلام غریبوں اور مسکینوں کے لیے آیا۔

روسیوں نے طرحِ نو ڈالی مگر
آب و ناں کے بدلے میں دیں ہار کر

دیکھ حق اور بول حق، کر حق کو عام
روسیوں کو میرا پہونچا دے پیام

روسی قوم کے نام افغانی کا پیام

منزلِ مقصودِ قرآں اور ہے
رسم و آئینِ مسلماں اور ہے

اس کے دل میں آتشِ سوزاں نہیں
مصطفیٰؐ سینے میں نور افشاں نہیں

کچھ نہ حاصل کر سکا قرآں سے
دُرد ہے ساغر میں اُس کے اور نہ مے

توڑ کر خود ہی طلسمِ قیصری
اختیار اُس نے ملوکیت بھی کی

جب نہالِ سلطنت اُس کا بڑھا
پھر ملوکیت میں دیں اُس کا ڈھلا

جو بدل دیتی ہے اندازِ نظر
عقل و رسم و رہ کو دے رنگِ دگر

طرحِ دیگر تو نے رکھی مرحبا
دِل دساتیرِ کہن سے بھر گیا

ہم مسلمانوں کی صورت تو نے بھی
ساری شانِ قیصریّت ختم کی

شمعِ اِک روشن تو کی تو نے مگر
کچھ تو عبرت لے تو ہم کو دیکھ کر

محکمی کا ہے ترے اوپر لزوم
پھر نہ اُن لات و ہبل کے گرد گھوم

ایسی قوم اک چاہیے یہ دنیائے پیر
جو بشیر اس کے لیئے ہو اور نذیر

لَوٹ کر آ جانبِ اقوامِ شرق
ہیں ترے دِن بستۂ ایامِ شرق

تیری جاں میں سوزِ نو پیدا ہوا
اور نیا اِک روز و شب کا سِلسلہ

ہو گئے افرنگ کے آئین و دیں
کہنہ و خام، اب اُدھر جانا نہیں

کر دیا کارِ خداوندان تمام
چھوڑ کر لا سوئے اِلّا کر خرام

چھوڑ کر لا سوئے الّا کر سفر — لے رہِ اثبات اور ہو زندہ تر
خواہشِ تنظیمِ عالم تیرے پاس — اس کی ڈھونڈی بھی کوئی محکم اساس؟

داستانِ کہنہ دھو دی باب باب
روشنی دے گی تجھے اُمّ الکتاب

کس نے کالوں کو یدِ بیضا دیا؟ — مژدۂ لا قیصر و کسریٰ دیا؟
چھوڑ اس کے جلوہ ہائے رنگ رنگ — خود کو پالے کر کے تو ترکِ فرنگ
غربیوں کے مکر سے ہو باخبر — روبہی کو چھوڑ، شیری° پیشہ کر
کیا ہے روباہی، تلاشِ سازو برگ — شیرِ مولا ڈھونڈے آزادی و مرگ
ضیغمی بے علمِ قرآں روبہی — فقرِ قرآں کیا ہے؟ بس شاہنشہی
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر — فکر ہے ناقص نہ ہو شامل جو ذکر
ذکر؟ ذوق و شوق کو دینا ادب — کارِ جاں ہے یہ نہ کارِ کام و لب
اُٹھیں اس سے شعلہ ہائے سینہ سوز — طبع کو تیری نہ راس آئے ہنوز

اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر
تجکو دکھلاؤں تجلی ہائے فکر

کیا ہے قرآں؟ خواجہ کو پیغامِ مرگ — دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
اہلِ زر سے کیا امیدِ خیر ہو — لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْ°°
سود سے بڑھتا ہے کیا آخر؟ فِتَن — کس نے جانی لذتِ قرضِ حسن
سود سے جاں تیرہ ہے دل مثلِ سنگ — آدمی زِ زندہ بے دندان و چنگ
رزق لینا خاک سے تو ہے روا — مال بندے کا ہے یہ، مُلکِ خدا
ہے امیں مومن خدا مالک ہے بس — غیرِ حق جو بھی ہے وہ ہالک°°° ہے بس

° شیری
°° .... مما تحبون (۹۲ آل عمران) تم خیرِ کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کر دو گے۔
°°° تلمیح بہ آیہ شریفہ کُلُّ شیءٍ ھالکٌ الا وجہہا

حق کا پرچم بادشہ کر دیں نگوں
ان کے ہاتھوں گاؤں سب خوار و زبوں°

سب کی روٹی ایک دسترخوان سے
نفسِ واحدؔ سے یہ نسلِ آدم کی ہے°°

نقشِ قرآں اس جہاں میں جب گرا
ہر نشانِ کاہن و پاپا ہٹا

جو مرے دل میں ہے کہدوں بے حجاب
شئے یہ کوئی اور ہے کب ہے کتاب

یہ سمائے جاں میں تو دیگر ہو جاں
جاں ہوئی دیگر تو ہے دیگر جہاں

مثلِ حق پنہاں بھی ہے، پیدا بھی ہے
زندہ و پائندہ بھی گویا بھی ہے

اس میں ہیں تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعتِ اندیشہ لے آ مثلِ برق

جاں بکف ہو جا مسلماں سے کہے
ہے جو حاجت سے زیادہ چھوڑ دے°°°

تو نے لایا شرع و آئینِ دگر
نورِ قرآں سے بھی کر اس پر نظر

زندگی کا زیر و بم تجھ پر عیاں
زیست کی تقدیر کی تو راز داں

ہے ہماری بزم میں ساقی نہ مئے
سازِ قرآں میں نوا موجود ہے

زخمہ اپنا بے اثر ٹھہرے اگر
ہیں زمانے میں ہزاروں زخمہ ور

ذکرِ حق ہے قوم و ملت سے غنی
ہے مکاں کی قید میں نے وقت کی

ذکرِ حق ہے یہ نہیں ہے ذکرِ عام
اس کو کب ہے احتیاجِ روم و شام

ہم سے حق نے حق اگر یہ لے لیا
دوسری اک قوم کو پیدا کیا

ہے مسلماں موردِ تقلید و ظن
ہر گھڑی میرے ہیں لرزاں جان و تن

ڈر یہ ہے محروم اس کو کر نہ دیں
آگ اپنی دوسروں میں بھر نہ دیں

° تلمیح بہ آیۂ شریفہ ان الملوک اذا دخلوا °° تلمیح بہ آیۂ شریفہ۔ خلقکم ولا بعثکم °°° تلمیح بہ آیۂ شریفہ ویسئلونک ماذا ینفقون (ترجمے کے لیے دیکھیے ص ۵۰)

پیرِ رومیؔ زندہ رود سے شعر سُنانے کی فرمائش کرتے ہیں

پیرِ رومیؔ وہ سراپا جذب و درد
آنسوؤں میں خونِ دل کی تھی کشید

سُن کے یہ کھینچی انھوں نے آہِ سرد
سرخ و رنگیں جس طرح خونِ شہید

ہے دِلِ مرداں ہدف اس تیر کا
"کعبۂ دِل اپنا خوں مثلِ شفق

سوئے افغانیؔ نظر کی اور کہا
ہاتھ اپنا اور ہر فتراکِ حق

اُس سے جاں صورتِ جوئے رواں
چھوڑتا ہے آس، مرگِ جاوداں"

دیکھ کر مجکو کہا پھر "زندہ رود!
اپنے دو شعروں سے بھڑکا دے وجود

تھک گیا ہے ناقہ اور محمل گراں
تلخ تر ہو اب نوائے ساربان

امتحاں اپنا ہے یہ زورِ بلا
تشنہ تر پیاسوں کو کرنا ہے روا

مثلِ موسیٰؑ پار کر جا رودِ نیل
گام زن ہو آگ میں مثلِ خلیل

نغمہ وہ آتی ہے جس سے بوئے دوست
قوم کو لاتا ہے سوئے کوئے دوست"

غزلِ زندہ رود

یہ گُل و لالہ جو تجھ کو نظر آتے ہیں مقیم
وہ بھی مصروفِ سفر ہیں صفتِ موجِ نسیم

ڈھونڈیئے لاکھ کہیں معنیِ تازہ نہ مِلے
مسجد و مکتب و مئے خانہ یہاں سب ہیں عقیم[1]

[1] بانجھ

خود سے ہی سیکھ کوئی حرف اُسی میں جل جا
کہ سب اس خانقہ میں بیٹھے ہیں بے سوزِ کلیم

کیا بیاں تکیہ نشینوں کی صفا کوشی کا
موئے ژولیدہ ہیں ان کے تو ہے ناشُستہ گلیم

کس قدر ایک حرم میں کئے تعمیر حرم
اہلِ توحید یک اندیشہ بھوا ہوکر ہیں دو نیم ⁰⁰⁰

بزم ہنگاموں سے گذری تو نہیں یہ مشکل
ہے یہ مشکل کہ ہیں سب بزم میں بے نُقل و ندیم

(حاشیہ صہ ۷۶)

۵ ان الملوک اذدخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ (۲۰-۳۴)
ترجمہ: بادشاہوں کا وطیرہ یہ ہے کہ جب وہ کسی قریے میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کردیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں۔

۵۵ ماخلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ (۳۱-۳۴)
ترجمہ: تم سب کا پیدا کرنا اور تمھیں (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا (پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا) یعنی ایک آدمی کا پیدا کرنا سب آدمیوں کا پیدا کرنا خدا کے لیے دونوں برابر ہیں۔

۵۵۵ ویسئلونک ماذا ینفقون

۵ اُلجھے ہوئے بال ۵۵ گندی گدڑی ۵۵۵ دو ٹکڑے

فلکِ زہرہ

فلکِ زہرہ

مہرِ رخشاں اور ہمارے درمیاں
ہیں فضاؤں کے حجاباتِ گراں

ڈالے تو پردے ہمارے سامنے
جلوہ ہائے آتشیں چھپنے لگے!

تا ہو کم سوزی سے دل سوزندہ تر
اور پھلیں پھولیں یہ شاخ و برگ و بر

تاب سے اس کی رگِ لالہ میں خوں
رقص سے اس کے ندی سیماب گوں!

پردۂ گل سے عیاں ہو جانِ پاک
سوئے بے سوئی رواں ہو جانِ پاک!

اس کی رہ میں مرگ و حشر و حشر و مرگ
تاب و تب ہی اس کا ٹھہرے ساز و برگ

اس فضائے نیلگوں سے بار بار!
غوطے پیہم کھا کے اُبھرے بار بار!

خود حریم اپنا ہے، ابراہیمؑ آپ
مثلِ اسماعیلؑ ہے تسلیم آپ!

آسماں بھی سامنے خیبر بھی ہے
ضرب اس کی ضربتِ حیدرؓ بھی ہے

یہ ستیز اس کو بنائے پاک بھی
محکم و سیار بھی، چالاک بھی

زیرِ پر اس کے یہ سب پہنائے نور
اور اس کے جال میں جبریل و حور

جب ہو مازاغ البصرؑ اس کا نصیب
عبدہٗ کا آپ وہ ٹھہرے رقیب

میں کہاں ہوں کچھ نہیں اپنی خبر
دُور ہوں یاروں سے ہے اتنی خبر

جنگ اک جاری ہے مجھ میں بے سپاہ
دیکھے وہ جو مجھ سی رکھتا ہو نگاہ

کس نے دیکھی آہ رزمِ کفر و دیں
میں اکیلا مثلِ زین العابدین

راہ سے منزل سے کون آگاہ ہے
بس تو امیری چراغِ راہ ہے

غرقِ دریا سب جوان و طفل و پیر
پہونچا ساحل تک تو اک مردِ فقیر

کھینچ رکھے ہیں حجاباتِ وثاق!
وصل سے ترساں، رُلاتا ہے فراق

ؑ سورۂ النجم (۵۳/۱۷) تلمیح بہ آیۂ قرآنی مازاغ البصر وما طغیٰ (نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی)

وصل اگر ہو شوق کی حد، الحذر!
مرحبا آہ و فغانِ بے اثر!

راہرو کیا راہ کا ڈھونڈے سراغ
سازگار آجائے گر اس کو فراغ

میں وہ دل رکھتا ہوں وہ ذوقِ نظر
مانگیں جو ہر دم جہانِ تازہ تر

باخبر رومی مرے احوال سے!
بولے "لے! ہے عالمِ نو سامنے

عشق کے ہاتھوں میں اک مہرہ ہیں ہم
جادہ پیمائے رہِ زہرہ ہیں ہم

پانی اور مٹی سے ہے اس کا قوام
جس پہ لپٹا ہے غلافِ مشک فام

بانگاہِ پردہ سوز و پردہ در!
اس کے میغ دماغ سے ہو کر گذر

اس میں بستے ہیں خدایانِ کہن
اور میں واقف ہوں اُن سے تن بہ تن

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر
رم، خن و لات و منات و عسر و غسر

سچ تو یہ ہے یہ زمانِ بے خلیل
اس کے حق میں بن گیا ہے اک دلیل

مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم

وہ ہوائے تند وہ شبگوں سحاب
برق کھو دے اپنی ساری آب و تاب

بحرِ آویزاں ہوا میں تھا کوئی!
چاکِ داماں اور گوہر سے تہی

بے کنار اک بحر، موجیں گرم خیز
تھیں ہواؤں سے جو یکسر کم ستیز

رومی اور میں بحرِ تیرہ میں رواں
یا خیال اک دل کی خلوت میں نہاں

وہ سفر دیکھے ہوئے ہیں نو سفر
بیقرار و مضطرب میری نظر

"نارسا میری نظر" میں نے کہا
"ہاں وہ عالم ہے کہاں؟ یہ تو بتا"

اتنے میں کچھ کوہسار آئے نظر
جوئبار و مرغزار آئے نظر

کوہ و صحرا صد بہار اندر کنار
مشکبار آئی نسیمِ کوہسار

ہائے طائرانِ ہم نفس! — چشمہ زار و سبزہ ہائے نیم رس
، ہوا سے تن ہوا پائندہ تر — جسم میں جاں بھی ہوئی بیننده تر
، پہاڑی پر سے ڈالی پھر نظر — ہائے وہ کوہ و کمر وہ دشت و در
وادی بے نشیب و بے فراز — جس سے آبِ خضر بھی رکھے نیاز
، وہاں سارے خدایانِ کہن — وہ خدائے مصر یہ ربِّ یمن!
عرب کا رب تو یہ ربِّ عراق — یہ الٰہ الوصل وہ ربِّ فراق!
کی یہ نسل، دامادِ قمر — رکھّے زوجِ مشتری پر وہ نظر
کسی کے ہاتھ میں تیغ دو رُو! — سانپ کو کوئی کئے زیبِ گلو
کے ترساں تھا ہر اک ذکرِ جمیل — سب کو آزردہ کرے ضربِ خلیل
مردوخ "آج آدم جا گرا — دور یزداں و حرم سے مرحبا!
فرزدں گر تیرے ادراک و نظر — عہدِ رفتہ لوٹ آیا، دیکھ ادھر!
کو لذت بخشیں آثارِ کہن — ہے ہمارے باب میں اس کا سخن
دیا ہے وقت نے اب ہم کو شاد — چل رہی ہے اب وہاں بادِ مراد"

ہو کے خوش فرطِ طرب سے بعل نے
سب ہمارے راز افشا کر دیئے!

بعل کا گیت

نیلی چھت کو آدم نے کیا
ظر آیا انہیں اس کو خدا
دلِ آدم میں جز انکار کیا
س کی موجیں سر پٹکتی ہیں سدا

ہنے والی

جاں کو ہے، محسوس ہے، اس کی قرار
آگیا پھر عہدِ رفتہ آگیا
زندہ باد افرنگی مشرق شناس
جس نے ہم کو قبر سے باہر کیا

اے خدایانِ کہن! یہ وقت ہے!

حلقۂ وحدت کی دیکھو تو شکست
آلِ ابراہیمؑ بے ذوقِ الست
بزم برہم اس کی، ساغر پاش پاش
تھا مئے جبریلؑ سے کل تک جو مست
مردِ حُر ہے اب گرفتارِ جہات
ٹوٹ کر حق سے، وطن کی مئے سے مست
خوں شکوہِ دیریاں سے اس کا سرد
ہو گیا پیرِ حرم زنّار بست

اے خدایانِ کہن! یہ وقت ہے!!

لوٹ آئے پھر سے ایّامِ طرب
دیں ہزیمت دین کو ملک و نسب
ہو چراغِ مصطفےٰ سے خوف کیا
پھونکتے ہیں اس کو کتنے بو لہب
گرچہ آتی ہے صدائے لا الٰہ
دل ہے خالی، کیسے ہو مانوس لب

اہرمن زندہ فسونِ غرب ہے
روزِ یزداں کو لگا ہے بیمِ شب

اے خدایانِ کہن یہ وقت ہے!

بندِ دیں سے اس کی گردن ہو رہا
اپنا بندہ بندۂ آزاد تھا
جب صلوٰۃ اس کے لیے ٹھہرے گراں
وہ کرے بے سجدہ اک رکعت ادا
جذبے سب نغمے سے ہوتے ہیں بلند
اس نمازِ سادہ میں لذّت ہے کیا
اس خدا سے جو نظر سے ہے نہاں
ہے وہ بت بہتر نظر جو آگیا!

اے خدایانِ کہن یہ وقت ہے!

دریائے زہرہ میں اترنا اور ارواحِ فرعون و کشنر کو دیکھنا

پیرِ رومیؔ صاحبِ ذکرِ جمیل — ضرب اُن کی سطوتِ ضربِ خلیل؏
یہ غزل مستی میں وہ گانے لگے — سجدے میں کہنہ خدا سب گر پڑے

؏ لارڈ کچنر برطانوی جرنیل جس نے مہدی سوڈانی کی ہڈیاں قبر سے نکلوا کر سمندر میں پھنکوا دی تھیں جو واپسی میں بحری سفر کے دوران سمندری طوفان کا شکار ہوا اور جس کی لاش کا پتہ نہ چل سکا۔ (م م)

غزل

ڈال مستقبل و ماضی پہ پھر اک بار نظر
بس یہی وقت ہے اندیشۂ دیگر سے

عشق نے ناقۂ ایام پہ محمل باندھا
عاشقی کے لیئے ہے راحلہ کیا؟ شام

یہ جہاں ایک روش پر تو نہیں ہے قائم
خوش و ناخوش سے کرو اس کے بس ... قطع

سر و سودا ہے اگر ترکِ جہاں کا تجھ کو
سب سے پہلے مری جاں اپنے ہی سر سے

کہا میں نے کہ ہیں آباد مرے دل میں صنم
کہا اس بت کدے کو خیر سے کر زیر و زبر

○

پھر کہا مجھ سے کہ برخیز[۱] اے پسر!
چل مرے دامن کا گوشہ تھام

وہ کہستاں وہ جبالِ[۲] بے کلیم
برف سے لگتا ہے جو انبارِ

اس کے پیچھے قلزمِ الماس گوں[۳]!
ہے بروں سے جس کا ظاہر تر در

موج سے نے سیل سے اس کو خلل
طبع میں اس کی سکونِ لم یزل[*]

ہے مقامِ سرکشانِ زور مست
منکرانِ غائب و حاضر پرست

شرق کا باسی ہے اک، اک اہلِ غرب
ہر دو اہلِ حق سے محوِ حرب و ضرب[۴]

---

* لایزال ۱ اٹھ ۲ جبل کی جمع پہاڑی سلسلہ ۳ چاندی کا ڈھیر ۴ معروف جنگ

ایک کی گردن پہ ہے چوبِ کلیم | تیغ سے درویش کی دو جا دو نیم
ہر دو فرعون اک صغیر و اک کبیر | عینِ دریا میں ہیں دونوں تشنہ میر[۲]
موت کی تلخی سے ہر دو آشنا | مرگِ جباراں میں آیاتِ خدا![۳]
آ جا میرے پیچھے پیچھے ڈر نہیں | ہاتھ میرے ہاتھ میں دے ڈر نہیں

مثلِ موسیٰ چاک دریا کر دکھاؤں
چل تجھے میں اس کے اندر لیکے جاؤں"

ہم پہ سینہ بحر نے وا کر دیا | کھل گئی رہ جوں ہی پانی ہٹ گیا
تہہ میں تھی اک وادی بے رنگ و بو | جس میں بس تاریکیاں تھیں تو بہ تو[۱]
سورۂ طٰہٰ جو رومی نے پڑھا | زیرِ دریا چاند روشن ہو گیا
تھے وہاں کچھ کوہ عریاں اور سرد | جس میں تھے سرگشتہ و حیراں دو مرد
پہلے رومی کی طرف کی اک نظر | دیکھتے تھے پھر وہ سوئے یک دگر
بولا فرعون "آہ یہ صبح اور یہ نور؟ | ہے یہ کیسی صبح ؟ یہ نور و ظہور ؟"

رومی

تھا جو پنہاں اس سے روشن ہو گیا | ہے یدِ بیضا سے یہ نور و ضیا!

فرعون

آہ کھو دی میں نے نقدِ عقل و دیں | دیکھ کر بھی اس کو پہچانا نہیں
اے جہاں دارو! ذرا دیکھو مجھے | اے زیاں کارو! ذرا دیکھو مجھے
الاماں! یہ قومِ بے فہم و بصر | ڈھونڈے خاکِ گور سے لعل و گہر

---

۱ تہہ بہ تہہ ۲ پیاس سے مرجانے والے ۳ ظالموں کی موت میں خدا کی نشانیاں ہیں۔

لاش جو زیبِ عجائب خانہ ہے
اس کے ہونٹوں پر بھی اک افسانہ ہے

وہ ملوکیت کی دیتی ہے خبر
بخشتی ہے کور چشموں کو نظر

کیا ہے تقدیرِ ملوکیت؟ شقاق[1]
پھر استحکام تدبیرِ نفاق

اس کے ہاتھوں ہے زبوں تقدیرِ ملک
باطل و آشفتہ تر تدبیرِ ملک

پھر اگر دیکھوں کلیم اللہ کو
اس سے مانگوں اک دلِ آگاہ کو

رومی

حاکمی بے نورِ جاں ہوتی ہے خام
بے یدِ بیضا ملوکیت حرام

ضعفِ محکوماں سے محکم حاکمی
رنجِ محروماں سے بیخ[2] اس کی قوی

باج سے ہے تاج اور تسلیم باج
سنگ کو کرتی ہے مانندِ زجاج[3]

فوج و زنداں و سلاسل رہزنی
ہے وہی حاکم جو ہو ان سے غنی

ذوالخرطوم

مقصدِ افرنگ ہے اونچا مگر
شق نہ کیں قبریں پئے لعل و گہر

سرگزشتِ مصر و فرعون و کلیم
کہہ رہے ہیں سارے آثارِ قدیم

علم و حکمت کشف و اسرار اور بس؛
حکمتِ بے جستجو خوار اور بس

فرعون

قبر سے میری کھُلے حکمت کے در
تربتِ مہدی سے کیا نکلا مگر؟

---

۱ ٹوٹنا ۲ بنیاد ۳ شیشہ

درویش سوڈانی کا نمودار ہونا

یک بیک پانی میں چمکیں بجلیاں
اور موجوں میں ہوئی ہل چل عیاں

گلشنِ جنت کی بو آنے لگی
روح اک درویش کی ظاہر ہوئی

سوز سے سیپی میں گوہر گھل گیا
سینۂ کشنر میں پتھر گھل گیا

بولے "اے کشنر جو رکھتا ہے نگاہ
دیکھ میرا انتقام اے روسیاہ!

آسماں نے قبر بھی تجھ کو نہ دی
قبر تیری عین دریا میں بنی"

حلق ان کا خشک پھر ہونے لگا
نالۂ دل سوز لب پر آ گیا!

بولے "اے روحِ عرب بیدار ہو
ہاں ذرا پھر خالقِ اعصار ہو

اے فواد، اے فیصل، اے ابنِ سعود
آپ بل کھانا یہ کب تک مثلِ دود

زندہ کر سینے میں پھر وہ درد و سوز
لوٹ کر پھر کاش آ جائیں وہ روز

پھر کسی خالد کو اے بطحا اٹھا
نغمۂ توحید کا جادو جگا

نخل تیرے دشت کے بالندہ تر
پھر نہ اٹھا تجھ سے فاروقِ دگر

اے جہانِ مومنانِ مشک فام
تجھ سے آتی ہے مجھے بوئے دوام

زندگی کب تک یونہی بے ذوقِ سیر
ہے تری تقدیر رہنِ دستِ غیر

تو مقام اپنا نہ پائے الاماں
تڑپیں زیرِ آب میری ہڈیاں

ڈر بلا سے کیا؟ ہے قولِ مصطفےٰ
"مرد کو روزِ بلا، روزِ صفا"

ساربان! اے ساربان! اے ساربان
یار سارے سوئے یثرب ہیں رواں

سوئے یثرب یار ہیں، ہم سوئے نجد
وہ حدی گا، ناقے کو آ جائے وجد

---

۱ بڑھنے والا ۲ شرق اردن عراق اور سعودی عرب کے حکمرانِ وقت ۳ حدیث شریف

ابر برسا خاک سے سبزہ اُگا | سُست پائے ناقہ شائد ہو گیا
جاں مری دردِ جدائی سے تپاں | راہ وہ لے سبزہ ہو کم جہاں
ناقہ مستِ سبزہ ہے، میں مستِ دوست | وہ ہے تیرے ہاتھ، میں در دستِ دوست
ہو گئی پانی کی صحرا میں سبیل | دُھل گئے شاخوں پہ اوراقِ نخیل
وہ دو آہو آگے پیچھے تیز گام | دیکھ اس وادی میں ہیں محوِ خرام
چشمۂ صحرا سے پانی پی لیا | دیکھتے ہیں سوئے رہرو، سر اُٹھا
ہو کے نم، ہے ریت مثلِ پرنیاں | اونٹ پر جا وہ نہیں ایسا گراں
دیکھ وہ گِھر گِھر کے ابر آنے لگا | ڈر ہے بارش سے کہ ہوں گھر سے

ساریاں! اے ساریاں! اے ساریاں!
یار سارے سوئے یثرب ہیں رواں!
سوئے یثرب یار ہیں، ہم سوئے نجد
وہ حدی گا، ناقے کو آجائے وجد"

○○○

فلکِ مرّیخ

اہلِ مریخ

ند کی اک لحظے کو پانی میں آنکھ
کھولی ہٹ کر خود سے حیرانی میں آنکھ

ل پڑا تو سامنے تھا اک جہاں
تھا جہاں دیگر زماں، دیگر مکاں

ب اُفق تک اس کے سورج آگیا
روز و شب کو اک نیا ہی ڈھب ملا

سم دراہِ جاں سے تن بیگانہ ہے
ہے زماں میں اور زماں بیگانہ ہے

ے ہماری جان کو راس اس کا سوز
وقت اس کا شاد ہے، ہو کوئی روز

لنگی لاتی نہیں پروازِ روز
روز اس کے نور سے عالم فروز

روز و شب کو دور پیہم اس سے ہے
سیر کر اس کی، ہر عالم اُس سے ہے

رمیاں تھی اک رصدگاہِ بلند
دُوربیں اس کی ثریا در کمند

لوتِ نہ گنبدِ خضرا ہے یہ؟
یا ہمارا خاک داں ہے؟ کیا ہے یہ!

گاہ ڈھونڈا اس کی وسعت کا کراں
گاہ دیکھی وہ فضائے آسماں

یرِ رومی مرشدِ اہلِ نظر
بولے یہ مرّیخ سے دیکھ اے پسر!

ہے یہاں بھی اک طلسمِ رنگ و بو
ہر طرف آباد شہر و کاخ و کو

ں کے باسی ہیں بڑے ہی ذوفنوں
جان و تن کے علم میں ہم سے فزوں

یا زماں اور کیا مکاں، قاہر ہیں یہ
ہیں یہ ماہر تر فضا کے علم کے

ں کی ہستی سے ہیں آگہ اس قدر
ہر خم و پیچ فضا پر ہے نظر

کیوں کا دل اسیرِ آب و گِل
اس فضا میں ہے بدن پابندِ دل

ب و گل میں دل اگر منزل کرے
جو بھی چاہے آب و گل وہ دل کرے

لیم جاں سے مستی و ذوق و سرور
حکم جاں سے جسم کو غیب و حضور

اپنی دنیا میں ہے دُہرا ہر وجود | بے نمود اک جاں ہے، تن ہیں با نمود
خاکیوں کو جان و تن مرغ و قفس | فکرِ مرّیخی ہے یک اندیش بس!
جس کسی نے پا لیا روزِ فراق | چست تر کر دے اُسے سوزِ فراق
مرنے سے دو اک دن پہلے وہ شخص | مرنے کا اعلان بھی کر دے وہ شخص
اُن کی جاں پروردۂ تن ہی نہیں | لاجرم[1]، خو کردۂ تن ہی نہیں
آپ کو تن میں سمونا موت ہے | جگ سے ہٹ کر خود میں کھونا موت ہے
فکر سے تیری ہے اونچا یہ سخن | کیونکہ تیری جاں ہے محکومِ بدن

ہاں ٹھہر جا اس جگہ دو اک گھڑی
اتنی فرصت بھی خدا نے کس کو دی"

رصدگاہ سے انجم شناس مرّیخی کا برآمد ہونا

پیر مرد اک ریش جس کی مثلِ برف | عمر کر دی علم اور حکمت میں صرف
تیز بیں تھا مثلِ دانایانِ غرب | تھی قبا بھی مثلِ ترسایانِ[2] غرب
تھا مُسن اور قامت اونچا مثلِ سرو | تھی جبیں روشن مثالِ اہلِ مرو
آشنائے رسم و راہِ ہر طریق | اس کی آنکھوں سے عیاں فکرِ عمیق
آدمی کو دیکھ کر وہ کھل اٹھا | اور زبانِ فارسی میں یہ کہا
"پیکرِ گِل وہ اسیرِ چند و چوں | پست و بالا سے ہوا ہے اب بروں
خاک میں پروازِ بے طیارہ خوب | ثابتوں میں جوہرِ سیارہ خوب"
نطق و ادراک اس کے مثلِ آبِ جُو | تھا میں حیران سن کر اس کی گفتگو
تھا یہ کوئی خواب یا افسوں گری | اہلِ مرّیخ اور کہیں حرفِ دری
"تھا بہ عہدِ مصطفٰےؐ" اس نے کہا | "ایک مرّیخی مردِ باصفا

۱؎ بلا شبہ ۲؎ عیسائی

س نے دیکھا جب جہانِ آب و گل — خطۂ آدم پہ آیا اس کا دل

ھول کر پر وہ فضا میں اڑ گیا — اور عرب کے دشت میں وارد ہوا

بھی شرق و غرب میں دیکھا لکھا — نقش اس کا خلد سے رنگیں رسا

ں نے بھی دیکھا ہے ایران و فرنگ — کر چکا ہوں سیرِ ملکِ نیل و گنگ

یکھا ہے جاپان و امریکہ و چیں — بہرِ تحقیقِ فلزاتِ٥ زمیں

ہے زمیں کے روز و شب کی بھی خبر — بحر و بر کا بھی کیا اس کے سفر

ہم پہ یہ ہے ہنگامۂ آدم عیاں
وہ ہمارے کام سے محرم کہاں"

رومی

یں فلک سے ہوں تو ہے یہ اہلِ خاک — ہے یہ سرخوش، بن پیے صہبائے تاک

م اس بے پروا کا ہے زندہ رود — ہے سدا مستِ تماشائے وجود

م تمہارے شہر میں آئے یہاں — ہیں جہاں میں رہ کے آزادِ جہاں

ہے نئے جلووں کی ہم کو جستجو
دو گھڑی رہبر ہمارے تم ہو

حکیم مریخی

ہے یہ شہرِ مرغدینؔ و برخیا — یہ ابو الآبا کا اپنے نام تھا

ر ز مرز اک آمرِ کردارِ زشت — اس سے ملنے کو گیا سوئے بہشت

لا ہے آسودہ ناداں کس لئے — ہو گیا محکومِ یزداں کس لیے

ں جہاں سے بھی ہے بہتر اک جہاں — جنّت اس کے آگے ہے مالے جواں

---

٥ دھاتیں

Hasnain Sialvi

ہر جہاں سے وہ جہاں ہے خوب تر | لامکاں سے وہ مکاں ہے خوب تر
خود نہیں یزداں کو کچھ اس کی خبر | عالم ایسا تو نہیں آزاد تر
نے خدا ہے کام میں اس کے دخیل | نے خدا و نے رسول و جبرئیل
نے قیام و نے قعود و نے سجود | نے طواف و نے دعا و نے دُرُود"
برخیا بولے کہ "اے افسوں طراز | تو ہی اپنا رکھ وہاں نقشِ مجاز"
یہ فریب اس کا جو وہ کھائے نہیں | ہم کو حق نے بخش دی یہ سرزمیں

ہو کے اس ملکِ خدا سے بھی گذر
رسم و آئیں پر بھی اس کے کر نظر

شہرِ مرغدیں کی سیر

مرغدیں کی وہ عماراتِ بلند | اللہ اللہ وہ مقامِ ارجمند
اس کے باسی خوش بیاں تھے مثلِ نوش | خوب رُوے و نرم خوے و سادہ پوش
فکر تھی بے دردِ سوزِ اکتساب | راز دانِ کیمیائے آفتاب
نور سے حاصل کریں وہ سیم و زر | جیسے پانی سے نمک اپنا ہنر
خدمت، اُن کا مقصدِ علم و ہنر | ان کے کاموں کا نہیں پیمانہ زر
کوئی بھی دینار سے آگہ نہیں | اِن بُتوں کی اس حرم میں رہ نہیں
تھی وہاں ظالم مشینوں کو نہ راہ | نے فلک ان کے دھوئیں سے تھا سیاہ
سخت کش دہقاں دیئے روشن کئے | تھا اماں میں وہ خدا کی لوٹ سے
بے نزاعِ آب اس کے کھیت بھی | شرکتِ غیر اس کے حاصل میں نہ تھی
کوئی اس عالم میں تھا لشکر نہ فوج | کشت و خوں کر کے کرے کوئی نہ موج
نے قلم کو تھا وہاں حاصل فروغ | دان یہ دان پھولے پھلے جن سے دروغ

۱؎ زمیندار

تھا نہ بے کاروں کا سڑکوں پہ خروش
نے گداؤں کی صدا تھی دردِ گوش

حکیمِ مریخی

سائل و محروم یاں کوئی نہیں
حاکم و محکوم یاں کوئی نہیں

زندہ رُود

سائل و محروم ہے تقدیرِ حق
حاکم و محکوم ہے تقدیرِ حق
خالقِ تقدیر ہے بس اک خدا
چارۂ تقدیر کوشش سے ہو گیا؟

حکیمِ مریخی

خوں ہے اک تقدیر سے تیرا جگر
مانگ حق سے حکمِ تقدیرِ دگر
مانگنا تقدیرِ نو کا ہے روا
حق کی تقدیرات ہیں لاانتہا
ارضیوں نے ہار دی نقدِ خودی
اور نہ دیکھا نکتۂ تقدیر ہی
رمزِ باریک اس میں اک مضمر ہے دوست
تو ہوا دیگر تو وہ دیگر ہے دوست
خاک بن، ہو جائے گا نذرِ ہوا!
سنگ بن، شیشے پہ پھینکا جائے گا
قسمتِ شبنم ہے کیا؟ افتادگی!
قسمتِ قلزم ہے کیا؟ پائندگی!
تو تراشے ہے وہی لات و منات
کیا بتوں سے ڈھونڈتا ہے تو نجات
خود گریزی ہے فقط ایماں ترا
عالمِ افکار ہے زنداں ترا
رنج ہے بے گنج، قسمت ہے یہی!
گنج ہے بے رنج، قسمت ہے یہی!
اصلِ دیں ہے گر یہی اے بے خبر
اس سے ہو محتاج بھی محتاج تر

حیف اس دیں پر تھپک کر جو سلائے — اور تو خوابِ گراں سے اُٹھ نہ پائے

سحر و افسوں ہے کہ تیرا دین ہے!

حبِّ افیوں ہے کہ تیرا دین ہے!

ہے کہاں سے طبعِ درّاک اے عزیز؟ — غور بینیٔ پیکرِ خاک اے عزیز؟

ہے کہاں سے قوّتِ فکرِ حکیم؟ — ہے کہاں سے طاقتِ ذکرِ کلیم!

کس سے ہے یہ دل؟ یہ اس کی واردات؟ — یہ فنوں اس کے؟ یہ اس کے معجزات

گرمیٔ گفتار بھی تجھ سے نہیں! — شعلۂ کردار بھی تجھ سے نہیں!

فیض یہ فطرت کا ہے اور کچھ نہیں — خالقِ فطرت ہے، فطرت کا امیں

زندگانی کیا ہے؟ گوہر کی ہے کان — تو امیں اس کا ہے، مالک ہے کہاں

شانِ مرداں طبعِ روشن سے ہوا — اس کا مقصد خدمتِ خلقِ خدا

خدمت اک رسمِ درۂ پیغمبری! — مُزدِ[۱] خدمت مانگنا سوداگری!

بس یونہی یہ باد و خاک و ابر و کشت — باغ و راغ و کاخ و کوئے و سنگ و خشت

جن کو تو کہتا ہے یہ سب ہے مرا — مردِ ناداں! ہے یہ سب مِلکِ خدا

ارضِ حق کو ارضِ خود کہتا ہے تو؟ — کیا ہے شرحِ آیۂ لَا تُفسِدُو[۲]

ابنِ آدم ہو گیا شیطاں نہاد — کیا ہے ابلیسی میں آخر جز فساد

کام میں لانا امانت اے عزیز — ہے سراسر اک خیانت اے عزیز

اے خوشا وہ نیک مردِ باصفا — جس نے مالِ حق سپردِ حق کیا

سادیہ تیرا، ترا ساماں نہیں — کام یہ تیرا، ترے شایاں نہیں

تو اگر ہے مالکِ شَے ٹھیک ہے — اور نہ ہو مالک تو کیسے ٹھیک ہے

مِلکِ یزداں حق کو لوٹا دے میاں — تا ہوں تیرے کام میں آسانیاں

فقر و مسکینی ہے آخر کس لئے — مال کو مولا کے تو اپنا کہے

---

[۱] مزد صلہ [۲] تلمیح بآیۂ شریفہ لا تفسدوا فی الارض ترجمہ: زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

جس نے آب و گل سے باہر ہی نہ جست — اس کے شیشے کا مقدر ہے شکست
کر رہ و منزل میں فرق اے بےخبر — شیشے کی قیمت ہے، یہ اندازِ نظر
مال ہے تیرا تو ہے گوہر ترا! — ورنہ بے قیمت کوئی پتھر بھلا

تو ہوا دیگر تو ہے دیگر جہاں
اور دیگر یہ زمین و آسماں

دوشیزۂ مریخ کا احوال، جس نے رسالت کا دعویٰ کیا

رہ گئے پیچھے وہ سب گلیاں وہ کاخ — تھا کنارِ شہر میدانِ فراخ
جس میں دیکھا اک ہجوم مرد و زن — اور ایک عورت بہ قدِّ نارون
چہرہ تھا روشن مگر بے نورِ جاں — تھا بیاں پر اس کے خود معنی گراں
حرف بے سوز، آنکھ اس کی نم نہ تھی — آرزو کے کیف سے محرم نہ تھی
سینہ تھا جوشِ جوانی سے تہی — کور و صورت ناپذیر آئینہ بھی
عشق ہی جانے نہ وہ آئینِ عشق — صعوہ[1]، جس کو چھوڑ دے شاہینِ عشق
مجھ سے بولا وہ حکیم نکتہ داں — یہ نہیں ہے اہلِ مریخ اے جواں
سادہ و آزادہ و بے ریو[3] و رنگ — اس کی زادہ بوم[2] ہے ارضِ فرنگ
رہنے والی وہ یہاں کی ہے کہاں — فرز مرز اس کو چرا لایا یہاں
پختہ تر کارِ نبوت میں کیا — اور اس عالم میں اس کو لا رکھا
کہتی ہے میں آسماں سے آئی ہوں — دعوتِ آخر زمانی لائی ہوں
مرد و زن کے بیچ ہے اس کا سخن — فاش تر کہتی ہے اسرارِ بدن

اس کی نظروں میں رموزِ زندگی
ہیں زباں میں ارضیوں کی بس یہی

---

[1] ممولا [2] جائے پیدائش یا وطن [3] رو رنگی پھیکی

نبیۂ مریخ کا پیغام

اے زناں، اے مادراں، اے خواہراں
زندگی کب تک امثالِ دلبراں

دلبری ہے جگ میں مظلومی کا نام
ہے یہ محکومی و محرومی کا نام

بن سنور کر یہ سمجھ ہم نے لیا
لو شکار اب مرد اپنا ہو گیا

صید بن کر مرد صیادی کرے
قید ہو کر وہ ہمیں قیدی کرے

خود گدازی اس کی ہے مکر و فریب
اس کا درد و غم بھی ہے مکر و فریب

رونق افزائے حرم تجھ کو کرے
مبتلائے درد و غم تجھ کو کرے

ہمسر اس کا ہونا آزارِ حیات
وصل اس کا زہر، ہجر اس کا نبات

مارِ پیچاں[1] ہے وہ بے ریب[2] و ریا
اپنے خوں کو زہر سے اس کے بچا

زرد اموم[3]ت سے ہے روئے مادراں
مرحبا آزادیِ بے شوہراں

وحیِ یزداں مجھ پہ اترے ہر گھڑی
لذتِ ایماں بڑھاتے جائے مری

فن دکھانے والا ہے ایسا اثر
جسم کے اندر جنیں آئے نظر

زندگی کے کھیت کا ثمرہ اٹھا
لڑکی یا لڑکا جو دل چاہے ترا

گر نہ مرضی کے موافق ہو جنیں
ختم کر دینا اسے ہے عینِ دیں

آنے والا ہے اک ایسا دور بھی
جس میں کھل جائیں گے سب سرِ خفی

پرورش ہو گی جنیں کی کچھ عجب
جنم بے ارحام[4] لیں گے طفل سب

تا فنا ہو وہ سراپا اہرمن[5]
مثلِ حیواناتِ ایامِ کہن

لالہ بھی بے داغ و با دامانِ پاک
جنم لے گا خاک سے با جانِ پاک

خود بہ خود پیدا ہوں سب اسرارِ زیست
نغمہ بے مضراب بجتے تارِ زیست

ابرِ نیساں جو بھی تجھے بخشے نہ لے
اے صدف! دریا میں پیاسا جان دے

---

[1] پیچ و تاب کھاتا ہوا [2] بے شک و شبہ [3] ماں بننا [4] رحم کی جمع [5] مراد مرد سے ہے

اُٹھ کے ہو فطرت سے مصروفِ ستیز — تاکہ یہ آزاد ہو جائے کنیز

ربطِ دو تن سے فنا توحید زن
بن محافظ اپنی، مردوں پر نہ تن

رومی

مذہبِ عصرِ نو آئیں ہے یہی — حاصلِ تہذیب لادیں ہے یہی
زندگی کو شرع اور آئیں ہے عشق — اصل ہے تہذیب کی دیں، دیں ہے عشق
ظاہر اس کا سوزناک و آتشیں — باطن اس کا نورِ ربّ العالمیں
اس کے ہر تابِ دروں سے علم و فن — اور جنونِ ذو فنوں سے علم و فن

دیں نہ ہوگا پختہ بے آدابِ عشق
دیں ہے فیضِ صحبتِ اربابِ عشق

فلکِ مشتری

فلکِ مشتری

رواحِ جلیلہ، حلّاج و غالب و قرۃ العین طاہرہ کہ جنہوں نے ہشت میں نشیمن کرنا پسند نہ کیا اور گردشِ جاودانی اختیار کی

ں دلِ دیوانہ پر ہوں میں فدا — ہر گھڑی بخشے وہ ویرانہ نیا
ب ٹھہرتا ہوں تو وہ کہتا ہے "خیز"[1] — مردِ خودرس بحر کو سمجھے قفیز[2]
ون کو ہیں آیاتِ حق لا انتہا — اے مسافر! راہ کی حد بھی ہے کیا؟
م حکمت کا فقط ہے دیکھنا! — اور کرنا شَے کو فرسودہ سوا
م عرفاں کا بھی ہے گو دیکھنا — دیکھ کر کرنا ہے افزونی عطا
حکمت ترازوئے ہنر — مایۂ عرفاں ترازوئے نظر
کا حاصل کیا ہے؟ آب و خاک ہے! — اس کا حاصل کیا ہے؟ جانِ پاک ہے!
تجلّی پر نظر کو تول لے! — یہ تجلّی اپنے اندر گھول لے
تلاشِ جلوہ ہائے پے بہ پے — مثلِ نَے نالاں کیے افلاک طے
ں مردِ پاک طینت کا یہ تھا — سوز جس کا میری جاں میں بس گیا
دو مردانِ خدا کا قافلہ — مشتری کے ساحلوں پر آ رُکا
ہاں، وہ خاکدانِ ناتمام — تھے قمر گردش میں جس کے تیز گام
ہیشہ اس کا مئے سے تھا خالی ہنوز — آرزو جاگی نہ تھی کوئی ہنوز
ب بھی تابِ مہ سے نیم روز — نے برودت[3] اس ہوا میں تھی نہ سوز

[1] اٹھ [2] زنجیر [3] ٹھنڈک ؞ مولانا روم مراد ہیں۔

میں نے سوئے آسماں جب کی نظر — آئے سب تارے نظر نزدیک تر
ہیبتِ نظارہ سے تھے ہوش گم — نزد و دور و دیر و زود و دوش گم
سامنے تھیں تین روحیں پاک باز! — آگ جن کے سینوں کی گیتی گداز
تھی قبا ان کے بدن پر لالہ گوں — چہرے جن کو روشن کرے سوزِ دروں
حاملِ تاب و تبِ صبحِ الست — اپنے ہی نغموں کی مئے سے آپ مست
مجھ سے رومیؔ نے کہا "ہشیار ہو — ان کے نغموں سے ذرا بیدار ہو
شوقِ بے پروا نہیں دیکھا تو دیکھ — زور اس مئے کا نہیں دیکھا تو دیکھ
غالبؔ و حلاجؔ و خاتونِ عجم — شور آگیں جن سے ہے جانِ حرم
ان کے نغمے روح کو بخشیں حیات
محرمِ سوزِ درونِ کائنات!!!"

نوائے حلاج

ہے تیری خاک میں جو گمِ طلب وہ آگ بھی کر
نہیں تقاضے کے قابل تجلیِ دیگر

جہاں میں پھیل گئے جلوہ ہائے دوست، مگر
میں خود کو دیکھ رہا ہوں، ہٹاؤں کیسے نظر

رکھے نہ جان ہتھیلی پہ جو وہ ہم سے نہیں،
نہ دوں یہ مصرعِ نظیریؔ کا ملکِ جم لے کر

تو، دل گرفتہ نہ ہونا کہ عشق اکیلا نہیں
اگرچہ عقلِ فسوں پیشہ لائی ہے لشکر

...شناس نہیں، بربطِ سلیمیٰ میں
...یک نغمہ ہے، تجھ کو نہیں ہے اس کی خبر!

سُنا حکایت قیدِ نہنگ اور نہ کہہ
نہیں سفینہ مرا، روشناسِ بحر مگر!

...م اس کا ہوں میں، جس نے وہ سفر نہ کیا
...جس سفر میں نہیں کوہ و دشت و بحر و بر

شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما ہو
جو مرد غوغا نہیں اس سے اے عزیز حذر!

نوائے غالبؔ

اُٹھ کہ بدل دیں ہر ایک قاعدۂ آسماں
بھاگے اجل بھی، رہے گردشِ رطلِ[۱] گراں!

شحنہ[۲] کرے دار و گیر ہم سے تو کھائیں نہ خوف
پھیر دیں آئے اگر شاہ سے کچھ ارمغاں[۳]

چپ رہیں گر ہم سے ہو محوِ تکلم کلیم[۴]
چلتا کریں گر خلیل[۴] اپنا بنے میہماں

باج[۴] ستانانِ شاخساری سے ہوں محوِ جنگ
پھیریں انھیں خالی ہاتھ پھر زِ درِ گلستاں

بالؔ[۵] فشانانِ صبح گاہی سے پھر کرکے صلح
شاخوں سے لوٹا انھیں لائیں سوئے آشیاں

---

[۱] شراب کا پیالہ [۲] کوتوال [۳] تحفہ [۴] شاخساروں سے باج وصول کرنے والے
[۵] صبح کو پر کھول کر اڑنے والے پرندے

ہم کہ ہوئے حیدریؑ ہم سے عجب بھی نہیں
پھیر دیں گر آفتاب ہم بھی سوئے خاوراںؑ

نوائے طاہرہ

سامنا ہو اگر ترا چہرہ بہ چہرہ رُو بہ رُو
شرحِ غمِ وفا کروں نکتہ بہ نکتہ، مُو بہ مُو

اک تری دید کے لئے پھرتی ہوں صورتِ صبا
خانہ بہ خانہ، در بہ در، کوچہ بہ کوچہ، کُو بہ کُو

آنکھ سے میری خونِ دل ہے ترے ہجر میں رواں
دجلہ بہ دجلہ، یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ، جُو بہ جُو

میری قماشِ جاں پہ دل یوں ترے پیار کو بُنے
رشتہ بہ رشتہ، نخ بہ نخ، تار بہ تار، پُو بہ پُو

دل میں جو اپنے طاہرہ گھومی تو تُو ہی تُو ملا
صفحہ بہ صفحہ، لا بہ لا، پردہ بہ پردہ، تُو بہ تُو

سر اٹھایا مشکلاتِ کُہنہ نے
میرے اندیشے پہ شب خُوں مار کے
بحرِ میری فکر کا پُر اضطراب
ساحل اس کا زورِ طوفاں سے خراب

ؑ مشرق

مجھ سے رومی نے کہا "یہ وقت تو بس غنیمت ہے، جو دل میں ہے کہو
چہرۂ افکار سے پردہ اٹھاؤ
اس قیامت کو ذرا باہر بھی لاؤ"

زندہ رود اپنی مشکلات ارواحِ بزرگ کے سامنے پیش کرتا ہے

زندہ رود

مومنوں سے اس قدر دوری ہے کیوں؟
یعنی یہ جنت سے مہجوری ہے کیوں؟

حلاج

ردِ حر ہیں جس پہ روشن خوب و زشت | اس کو راس آتی نہیں قیدِ بہشت
نتِ مُلا مے و حور و غلام | جنتِ آزادگاں سیرِ دوام
نتِ مُلا خور و خواب و سرود | جنتِ عاشق، تماشائے وجود
شرِ مُلا شقِ قبر و بانگِ صور | عشقِ شور انگیز خود صبحِ نشور
لم کی بیم و رجا پر ہے اساس | عاشقوں کو نے امید و نے ہراس
لم کو خوفِ جلالِ کائنات | عشق ہے غرقِ جمالِ کائنات
لم کی نظریں ہیں کل اور آج پر | عشق مستقبل پہ رکھتا ہے نظر

علمِ پیماں باندھے با آئینِ جبر — اس کا چارہ کیا ہے؟ غیر از جبرِ د
عشقِ آزاد و غیور و ناصبور — ہے تماشے میں وہ ہستی کے جی
عشق اپنا شکووں سے بیگانہ ہے — گرچہ مستِ گریۂ مستانہ ہ
یہ دلِ مجبور ہے، مجبور کب! — ناوک اپنا ہے نگاہِ حور کب
آگ بھڑکائے ہماری یہ فراق — جان کی ہے سازگاری یہ فر
بے خلش ہے زندگی، نا زندگی — گر سدا آتش تہہ یا زند
زندگی ایسی ہے تقدیرِ خودی — اور اس میں گم ہے تقدیرِ خود
شوقِ بے حد سے ہے ذرّہ رشکِ مہر — جس کے سینے میں ہیں پنہاں سی

شوق جب عالم پہ شبخوں مار دے
آنیوں کو جاودانی وہ کرے!

زندہ رود

گردشِ تقدیر ہے مرگ و حیات — گردشِ تقدیر کیا ہے؟ خوش صف

حلاج

بن گئی تقدیر جس کا ساز و برگ — اس کی ہیبت سے ڈریں ابلیس و مرگ
دینِ مردِ صاحبِ ہمت ہے جبر — یعنی مردوں کے لئے قوت ہے جبر
مردِ پختہ، پختہ تر ہے جبر سے — رشتۂ جبرِ خام کا ہے قبر سے
جبرِ خالد[1] اک جہاں برہم کرے — جبر اپنا اپنی بنیادیں ہلا
کارِ مرداں کیا ہے تسلیم و رضا — کب ہے کمزوروں پہ موزوں یہ قب
تو ہے آگاہِ مقامِ پیرِ روم — کیا نہیں دیکھا کلامِ پیرِ روم

[1] خالد

گبر تھا کوئی بہ عہدِ بایزیدؒ — اس سے بولا اک مسلمانِ سعید

ایمان لانے میں ہے تیری بہتری — تا ملے تجھ کو نجات و سروری

گبر یہ بولا 'وہ ایماں اے مرید — رکھتے ہیں جو شیخ عالم بایزیدؒ

مجھ کو تو اس کی نہیں تاب و تواں — وہ تو مانگے سخت کوشش ہائے جاں'

(مولانا روم)

کام اپنا بس امید و بیم ہے — کب ہر اک میں ہمّتِ تسلیم ہے

جو یہ کہتا ہے 'جو ہونا تھا ہوا — تھا یہ سب لکھا ہوا تقدیر کا'

معنیٔ تقدیر وہ سمجھے گا کیا — وہ خودی ہو یا خدا دیکھے گا کیا

مردِ مومن حق سے رکھتا ہے نیاز — 'ہم ترے کام آئیں' گر تو ہم سے سا

عزم اس کا خالقِ تقدیر ہے
جنگ میں تیر اس کا، حق کا تیر ہے

زندہ رودؔ

کم نظر ہیں فتنہ پرور کس قدر — مردِ حق کو کھینچ ڈالا دار پر

رازِ ہستی ہے مگر تجھ پر کھلا — یہ بتا آخر گنہ تیرا تھا کیا؟

حلّاج

تھی مرے سینے کے اندر بانگِ صوؔر — ایک ملّت کر رہی تھی قصدِ گور

ہو گئے تھے خود سے منکر کلمہ گو! — آ گئی تھی کافروں کی ان میں خو

امرِ حق کو نقشِ باطل کہہ دیا — کیونکہ ہے وہ آب اور گل میں رچا

میں نے روشن خود میں کی نارِ حیات — کہہ دیئے مردے سے اسرارِ حیات

لہ تلمیح بہ آیۂ قرآن 'قل الروح من امر ربی' کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

طرحِ نور رکھتے ہیں با فیضِ خودی
قاہری میں گھولتے ہیں دلب

ہر کہیں پیدا خودی، پنہاں خودی
کب ہے اپنی آنکھ پر عریاں خود

نار پوشیدہ ہے اس کے نور میں
جلوہ ہائے عالم اس کے طور

ہر زمانے میں ہر اک دل نے کبھی
پردے ہی پردے میں اک رمز خود

نار اس کی جس کی قسمت میں نہیں
خود سے بیگانہ مرے وہ بالیقی

واقف اس کے نور سے ایران بھی ہے
محرمِ نور اس کا ہندوستان بھی

لیکن اس کی نار سے اے جانِ جاں
کس قدر کم لوگ ہیں آگہ یہا

اس کے نور و نار سے اے دوستاں!
دی خبر میں نے، یہ ہے میرا گنا

جو کیا میں نے وہی تو نے کیا
کر دیا مُردے پہ اک محشر بپا

طاہرہ

بندۂ صاحب جنوں کے باب سے
کائنات تازہ تر اک جنم لے

شوقِ بے حد پردے کر دے چاک چاک
کہنگی کو پل میں کر دے نذرِ خاک

آخرش دار و رسن اس کا نصیب
دیکھے اس کی لاش ہی کوئے حبیب

جلوہ شہر و دشت میں اس نے کیا
مت سمجھ، وہ اس جہاں سے اٹھ گیا

ہے ضمیرِ عصر میں اپنے نہاں
ہے وہ اس کی خلوتوں میں گم یہاں

زندہ رود

اے کہ حاصل تجھ کو دردِ جستجو
شعر اک اپنا تو سمجھا مجھ کو تو

"قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے" (غالبؔ)

غالبؔ

...لہ، جس کی اصل ہے سوز جگر — ہر جگہ تاثیر ہے اس کی دِگر
...ہے اثر سے اس کے قمری سوختہ — اور بلبل رنگ کا اندوختہ
...وت ہے اس میں بآغوشِ حیات — اک نفس ہے یاں حیات! ورواں ممات
...نگ بھی ایسا کہ ارژنگی تمام — رنگ بھی ایسا کہ بے رنگی تمام
...نہ جانے یہ مقامِ رنگ و بو — قسمتِ ہر دل بہ قدرِ ہائے و ہوٗ

یا سراپا رنگ یا بے رنگ ہو
تا سمجھ پائے جگر کے سوز کو

زندہ رُوْد

...ہے جہاں اندر جہاں نیلی فضا — کیا ہیں اس میں اولیا و انبیا؟

غالبؔ

...ور سے تو دیکھ یہ بود و نبوٗد — لمحہ لمحہ اک جہاں کا ہے وجود
...ہے بپا ہنگامۂ عالم جہاں — رَحْمَۃٌ لِّلعَالَمِیں بھی ہے وہاں

زندہ رُوْد

صاف کہہ ہے فہم میری نارسا؟

غالبؔ

یہ سخن ہے فاش تر کہنا خطا!

زندہ رُود

اہل دل کی گفتگو سے فائدہ؟

غالبؔ

ہے سخن کا لب تک آنا سہل کیا؟

زندہ رُود

تو کہ خود سوزِ طلب سے آگ ہے
تجھ کو یہ عجزِ بیاں ہے کس لیے؟

غالبؔ

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا[1]
رحمۃٌ للعالمینی انتہا

زندہ رُود

یہ چہرۂ معنیٰ ابھی پردے میں ہے
آگ رکھتا ہے تو مجھ کو پھونک دے

---

[1] تلمیح بہ آیۂ شریفہ خلق فقدر فھدی

غالبؔ

اے کہ تو ہے محرمِ اسرارِ شعر
یہ سخن ہے زخمہ بخشِ تارِ شعر

شاعروں نے کی بِنا بزمِ ادب
ہیں یہ موسیٰ بے یدِ بیضا غضب!

تو نے کیا چاہا ہے مجھ سے کافری
اور یہ ہے ماورائے شاعری

حلّاج

ہر طرف ہے اک جہانِ رنگ و بو
جس کی مٹی سے ہویدا آرزو

یا ہے نورِ مصطفیٰؐ اس کی بہا
یا ہے خود محوِ تلاشِ مصطفیٰؐ

زندہ روُد

پوچھتا ہوں، پوچھنا ہے گو خطا
سرِّ جوہر نام جس کا مصطفاؐ

آدمی ہے یا ہے وہ جوہر کوئی؟
وقفے وقفے سے جو آتا ہے کبھی!

حلّاج

سر بہ سجدہ گیتی اُن کے سامنے
عبدہٗ فرمایا خود کو آپ نے

عبدہٗ ہے فہم سے بالا ترے
کیونکہ وہ آدم بھی ہے، جوہر بھی ہے

وہ عرب ہے نے عجم اے خوش نوا
ہے وہ آدم اور آدم سے سِوا

عبدہٗ صورت گرِ تقدیر ہے
اس کے ویرانے میں بھی تعمیر ہے

جانفزا بھی، جاں ستاں بھی عبدہٗ
شیشہ بھی سنگِ گراں بھی عبدہٗ

عبدِ دیگر، عبدہٗ کا کیا شمار | منتظر وہ، ہم سراپا انتظ
عبدہٗ سے دہر ہے دہر عبدہٗ | ہم سراپا رنگ وہ بے رنگ
عبدہٗ با ابتدا، بے انتہا | عبدہٗ کے اور ہیں صبح و ش
کون اس کے راز سے آگاہ ہے | عبدہٗ بس سرِّ الا اللہ ہے
تیغِ لا کا دم سمجھ تو عبدہٗ | فاش تر چاہے تو کہہ، ھوٗ عبـ
عبدہٗ چند و چگونِ کائنات | عبدہٗ رازِ درونِ کائنات
کیا کریں گی بات پیدا یہ دو بیت | یعنی تو جب تک نہ سمجھے "مارمیت"

چھوڑ یہ گفت و شنود اے زندہ رُود
ہو بھی جا غرقِ وجود اے زندہ رُود

زندہ رُود

ذوقِ دیدار عشق کا ہے مشغلہ | یہ بتا مجھکو کہ ہے دیدار کیا

حلّاج

ہے یہی دیدارِ شاہِ دو جہاں | حکم اُس کا اپنے اوپر کر روا
جی تو بھی مثلِ رسولِ انس و جاں | تاکہ ہو تو بھی قبولِ انس و جاں
کر نظر پھر ایک اپنے آپ پر | ہے یہی دیدارِ شاہِ بحر و بر
آپ کی سنت ہے لاریب و گماں | آپ کے اسرار کا سرِّ نہاں

زندہ رُود

کیا ہے دیدارِ خدا کے نہ سپہر؟ | حکم سے جس کے ہیں گرداں ماہ و مہر

حلّاج

نقشِ حق پہلے تو کر خود پر رواں
اور اس کے بعد کر فکرِ جہاں

نقشِ جاں جب بھر گیا جگ میں تمام
ہو گیا دیدارِ حق دیدارِ عام

اے خوشا وہ مرد جس کی آہ سے
آسماں گرد اس کی گلیوں کے پھرے

آہ! وہ درویش جس نے آہ کی
اور پھر لب سی لیے چُپ سادھ لی

حکمِ حق جگ میں نہ جاری کر سکا
نانِ جَو کھا کر نہ جو حیدرؓ بنا

بھاگ کر خیبر سے ڈھونڈی خانقاہ
راہبی کی، چھوڑ کر سلطانی آہ!

نقشِ حق رکھتا ہے تو، تو یہ جہاں
ہے ترا نخچیرِ بے ریب و گماں

اور پھر تقدیر کہتے ہیں جسے
ہم قدم ہے وہ تری تدبیر سے

عصرِ حاضر الاماں والحذر
تجھ سے ہے گرمِ ستیز اے بے خبر

نقشِ حق ہے تیرے قبضے میں اگر
ڈال اس کافر کی لوحِ کفر پر!

زندہ رُود

نقشِ حق رکھنا ہے جگ میں جس طرح
میں نہیں سمجھا کہ رکھیں کس طرح؟

حلّاج

یا بہ زورِ دلبری رکھ اے عزیز
یا بہ زورِ قاہری رکھ اے عزیز

دلبری میں حق ہے عریاں تر مگر
قاہری سے دلبری ہے خوب تر

زندہ رُود

یہ بتا اے صاحبِ اسرارِ شرق
زاہد و عاشق میں آخر کیا ہے فرق؟

حلّاج

وہ[1] غریب اِس عالمِ دنیا میں ہے
یہ[2] غریب اُس عالمِ عقبیٰ میں ہے

زندہ رُود

معرفت کی انتہا ٹھہری فنا
ہے فنا میں زندگی آسودہ کیا؟

حلّاج

نشّۂ یاروں کا ہے خالی جام سے
اُن کی نے میں نیستی کے زمزمے
نیستی ہے معرفت بیگانگی
معرفت بیگانگی ہے نیستی
نیستی میں ڈھونڈے جو مقصود کو
کیا عدم میں پائے گا موجود کو!

۱۔ زاہد ۲۔ عاشق

زندہ رود

جس نے خود کو بہتر آدم سے کہا
ہے ہماری خاک گردوں آشنا
جام اس کا مے سے خالی ہو گیا
آگ ہے اس کی کہاں یہ تو بتا؟

حلاج

اس سنبھل! وہ خواجۂ اہلِ فراق
ہے ازل سے تشنہ لب، خونیں ایاق[1]
ہم ہیں جاہل اور وہ عارف بڑا
کفر نے اس کے یہ راز افشا کیا
گر نے سے لذت مگر اٹھنے کی ہے
اور کمی سے عیش افزونی بھی ہے
آگ میں اس کی ہے جلنا عاشقی
جس کے بن ممکن نہیں جلنا کبھی
عشق اور خدمت میں ہے وہ اوّلیں
آدم اس کے راز کا محرم نہیں

چاک کر پیراہنِ تقلید کو
سیکھ اُس سے نکتۂ توحید کو

زندہ رود

ہے ترے زیرِ نگیں اقلیمِ جاں
اور کر صحبت سے اپنی شادماں

حلاج

سازگار آتا نہیں ہم کو مقام
بس فقط ہے ذوقِ پرواز اپنا کام
دیکھنا، تپنا، تڑپنا اپنا کام
بے پر و بال اڑتے رہنا اپنا کام

---

[1] پیالہ

خواجۂ اہلِ فراق ابلیس کا نمودار ہونا

صحبتِ روشن دلاں اک دم دو دم — یہ دو دم سرمایۂ بود و عدم
عشق کو شوریدہ تر وہ کر گیا — عقل کو صاحب نظر وہ کر گیا
آنکھ کرلی بند دیکھوں تا اُسے — آنکھ سے دل میں اتاروں تا اُسے
ناگہاں دیکھا جہاں تاریک تھا — ازمکاں تا لامکاں تاریک تھا
اور پھر اس شب میں اک شعلہ اٹھا — پیر مرد اس میں سے اک ظاہر ہوا
سرمئی تھی جسم پر اس کے قبا — تھا دھنوئیں میں غرق وہ سر تا بہ پا
رومی بولے "خواجۂ اہلِ فراق — وہ سراپا سوز وہ خونیں ایاق
کہنہ و کم خندہ و اندک سخن[1] — دیکھتا ہے جاں درونِ ہر بدن
رند و ملا و حکیم و خرقہ پوش — ہے عمل میں مثلِ زاہد سخت کوش
اس کی فطرت میں نہیں ذوقِ وصال — زہد اس کا ہے فقط ترکِ جمال
آہ! وہ ترکِ جمال آساں نہ تھا — ترکِ سجدہ سے ہوئی شورش بپا
دیکھ کیا ہے آخر اس کی واردات — دیکھ اس کی مشکلات اس کا ثبات
ہے وہ غرقِ رزمِ خیر و شر ہنوز — صد پیمبر دیدہ ہے، کافر ہنوز
میری جاں تھی سوز سے اس کے تپاں — اس کے لب پر نالۂ و آہ و فغاں
مجھ پہ ہلکی سی نظر کی اور کہا — "کون مجھ سا با عمل ہے یہ بتا
کام ہیں میرے لیے اتنے اہم — فرصتِ آدینہ[2] بھی دیکھی ہے کم
نے فرشتے ہیں نہ نوکر میرے ہاں — وحی میری بے صفِ پیغمبراں
میں نے لائی نے حدیث و نے کتاب — جان کھینچی ہے فقیہوں کی شتاب
ہیں فقیہوں کے کچھ ایسے طور زشت — کردیا کعبے کو آخر خشت خشت[3]

۱؎ کم بات کرنے والا ۲؎ جمعہ مراد تعطیل کا دن ۳؎ ٹکڑے ٹکڑے۔

کیش میں میرے مگر ایسا نہیں — مذہبِ ابلیس میں فرقہ نہیں
کر کے سجدے سے حذر اے بے خبر — میں نے چھیڑا ارغنونِ خیر و شر
مجھ کو حق کا جان کر منکر نہ دیکھ — دیکھ باطن کو مرے ظاہر نہ دیکھ
ابلہی سے میں یہ سب کہتا نہیں — دیکھ کر انکار ممکن ہے کہیں
پردۂ 'لا' میں کہی ہے میں نے ہاں — میری جیب سے ہے بھلا میرا بیاں
دردِ آدم بھی مجھے بخشا گیا — قہرِ یار اس کے لیئے میں نے سہا
شعلے بھڑکاتی ہے میری کشت زار — جبر سے پہونچا وہ سوئے اختیار
میں نے کی اپنی برائی آشکار! — تجھ کو بخشا ذوقِ ترک و اختیار
تو دلا اس آگ سے مجھکو نجات — کھول میری ہر گرہ اے خوش صفات
تو کہ میرے دام میں ہے آپھنسا — رخصتِ عصیاں بھی کی مجھ کو عطا
ہمت مردانہ کر اب اختیار — مجھ سے رہ بیگانہ میرے غم گسار
میرے نیش و نوش سے بچکر گذر — تا نہ ہو نامہ مرا تاریک تر
ہیں یہاں صیاد بھی نخچیر بھی — صید ہو تو ہیں مرے ہاں تیر بھی

صاحبِ پرواز کو افتاد کیا
صید ہو زیرک تو پھر صیاد کیا"

چھوڑ دے" میں نے کہا "رسمِ فراق — أَبْغَضُ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي الطَّلَاقُ"[1]
زیست ہے" اس نے کہا "سوزِ فراق — اے خوشا سرمستیِ روزِ فراق
بات مجھ کو وصل کی آتی نہیں! — وصل اگر چاہوں تو دونوں بھی نہیں"
کر دیا بے تاب حرفِ وصل نے — بھر گیا دل اس کا سوزِ درد سے
غرق وہ اپنے دھنویں میں ہو گیا — اور سما کر اس دھنویں میں کھو گیا
ہو گئی جاں اس کی بے حد درد مند — نالہ یہ ہونے لگا اس سے بلند

---

[1] حدیث شریف طلاق میرے پاس سب سے بڑی چیز ہے۔

نالۂ ابلیس

اے خداوندِ صواب و ناصواب — صحبتِ آدم کرے ہے مجھ کو خراب
حکم میرا ٹال وہ سکتا نہیں — آپ کو دیکھا نہیں، پایا نہیں
وہ کہ ہے بیگانۂ ذوقِ اِبا[1] — اور محرومِ شرارِ کبریا
صید خود صیّاد سے کہتا ہے آ — آ مجھے نخچیر تو اپنا بنا
الاماں یہ صید ہے کتنا حقیر — الاماں یہ بندۂ فرماں پذیر
صید سے ایسے مجھے آزاد کر — طاعتِ دیروزہ میری یاد کر
پست اس سے ہمت والا مری — آہ! کیا تقدیر ہے مولا مری
خام فطرت اس کی، عزم اس کا ضعیف — تابِ یک ضربت نہ رکھے یہ حریف
بندۂ صاحب نظر مجھ کو ملے — اک حریفِ پختہ تر مجھ کو ملے
آب و گل کے اس کھلونے سے حقیر — کیسے کھیلے مثلِ کودک مردِ پیر
ابنِ آدم کیا ہے بس اک مشتِ خس — مشتِ خس کو اک شرر میرا ہے بس
کچھ نہیں ہے جب یہاں خس کے سوا — اس قدر کیوں کی مجھے آتش عطا
شیشے کو پگھلانا کارِ شرمگیں! — سنگ کو پگھلانا ہے امرِ حسیں
ہو گئیں میری فتوحات اس قدر — ہو گیا ہوں تنگ میں ان سے مگر
سامنے آیا ہوں تیرے اے خدا — کر مجھے بدلہ کوئی اس کا عطا
جو مرا منکر ہو بے ریب و ریا — دے مجھے ایسا کوئی مردِ خدا
جو مروڑے میری گردن بارہا — اک نظر سے جس کی لرزے تن مرا
جو کہے مجھ سے کہ ہو جا مجھ سے دور — ایک جو بھی میں نہیں جس کے حضور
اے خدا! اک زندہ مردِ حق پرست — دے مجھے لذت کوئی شاید شکست

[1] انکار

فلکِ زحل

فلکِ زحل

ارواحِ رذیلہ جنھوں نے ملک و ملّت سے غداری کی اور دوزخ نے بھی انھیں قبول نہیں کیا

ر رومی وہ امامِ حق شعار
آشنا ہے ہر مقامِ حق شعار

لے "اے گردوں نوردِ سخت کوش
دیکھ وہ ہے عالمِ زنّار پوش

ہ کُرے اس کی جو لپٹی ہے شئے
دُم کسی دُمدار سیّارے کی ہے

ال میں اس کی گرانی سے سکوں
نیکی اس کے حکم سے زشت و زبوں

کر اس کا گرچہ آب و گِل سے ہے
پانوں رکھنا خاک پر مشکل اسے

ڑے بجلی کے اٹھائے ہاتھ میں
قہرِ حق بن کر فرشتوں کی صفیں

رے اس پر مارتی ہیں بار بار
کانپتا ہے دمبدم اس کا مدار

الَمِ مطرود و مردودِ سپہر
صبح اس کی شب بوجہ بخلِ مہر

نزلِ ارواحِ بے یومِ نشور
جن سے دوزخ بھی ہے بیزار و نفور

ں میں بستے ہیں دو طاغوتِ کہن
روح و ملّت کے ہیں قاتل جن کے تن

عفر از بنگال و صادق[2] از دکن
ننگِ ملّت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

قبول و نا امید و نا مراد
ملّت اُن کے ہاتھ سے نذرِ فساد

س نے ہر ملّت کا کھولا بند بند
ملک و دیں اس کے زبوں زار و نژند[3]

نی وہ جنّت نشاں ہندوستاں
وہ عزیزِ خاطرِ صاحب دلاں!

۲ے میر جعفر اور میر صادق ۳ے دکھی، غمزدہ ۴ے ٹھکرایا ہوا

جس کا ہر اک خطہ ہے گیتی فروز — خاک و خوں میں ہے مگر غلطاں ہنو
کس نے یہ تخمِ غلامی بو دیا ؟ — یہ انھیں اور داحِ بد کا کام تھا

اس فضا میں ٹھہر کچھ دم کے لیے
تا مکافاتِ عمل بھی دیکھ لے "!

قلزمِ خونیں

کیا کہوں ممکن نہیں اس کا بیاں — جان سے تن بے خبر تھا، تن سے جا
میں نے کیا دیکھا بس اک دریائے خوں — جس میں تھے طوفان رواں طوفان ز
تھے ہوا میں سانپ یوں اڑتے ہوئے — جیسے دریا میں مگر ہوں گھومتے
اُن کے پھن تھے رات کی صورت سیاہ — بال و پر سیماب رنگ و بے پنا
موجیں دراتی ہوئی مثلِ پلنگ — خوف سے مرجائیں ساحل پر نہنگ
بحرِ ساحل کو اماں اک پل نہ دے — ٹوٹ کر کہسار دریا میں گرے
موجِ خوں سے موجِ خوں گرمِ ستیز — گرتی پڑتی جس میں اک کشتی تھی

اس میں دو بیٹھے تھے مردِ زرد رُو
زرد رو عریاں بدن، آشفتہ مُو

روحِ ہندوستان نمودار ہوتی ہے

آسماں اتنے میں اک دم شق ہوا — ایک حورِ پاک زاد و خوش ا
پردہ اپنے رخ سے سرکاتی ہوئی — دور سے آتی نظر آتی ہو
تھے جبیں پر نار و نورِ لایزال — اور آنکھوں میں سرورِ لایزا
تھی قبا اس کی سبک جیسے سحاب — پیکر اس کا پیکرِ برگِ گلاب

با ہمہ حسن و نزاکت طوق و بند
اس کے لب پر نالہ ہائے دردمند

مرشدِ رومیؔ یہ بولے "اے پسر
دیکھ روحِ ہند ہے یہ، کر نظر"

تھا فغاں سے اس کی سوزندہ جگر
الاماں والحفیظ والحذر

روحِ ہندوستان نالہ و فریاد کرتی ہے

شمعِ جاں سے ہے تہی فانوسِ ہند
کھوئی اہلِ ہند نے ناموسِ ہند

محرمِ اسرار وہ اپنا نہیں!!!
زخمہ اپنے تار پر مارا نہیں

اپنے ماضی پر ہے بس اس کی نظر
اُس کی ٹھنڈی آہ سے سوزاں جگر

اس نے ہی باندھے ہیں میرے دست و پا
دیئے مجھ کو یہ نالے نارسا

کیا خودی سے اپنی اس کو واسطہ
ہے وہ زندانی رسومِ کہنہ کا

آدمیت اس کے دم سے دردمند
خشک و تر سے اس کے عصرِ نو نژند

الحذر! جو فقرِ عریانی سکھائے
اے خوشا جو فقرِ سلطانی سکھائے

جبر سے بھاگا، درِ رنج دے خوئے صبر
جابر و مجبور کو ہے زہرِ جبر

صبرِ پیہم کا کوئی خوگر بنے
جبرِ پیہم کا کوئی خوگر بنے

کرتے ہیں ذوقِ ستم ہر دو فزوں
میں پڑھوں یَا لَیْتَ قَوْمِی یَعْلَمُوْن ؎

ہند کی شب سے عیاں کیونکر ہو روز
روح تو جعفر کی ہے زندہ ہنوز

ایک تن کی قید سے ہو کر رواں
دوسرے تن میں بنائے آشیاں

گہہ کلیسا سے کرتے وہ ساز باز
گاہ اہلِ دیر سے رکھتے نیاز

اس کا آئیںؔ، اس کا دیں سوداگری
عنتری اندر لباسِ حیدریؔ

؎ کاش میری قوم جان لیتی

Hasnain Sialvi

اس جہاں نے جب بھی لی کروٹ کہیں
رسم و آئیں اس کے بھی بدلے وہیں

اک نہ اک اس کا یہاں مسجود ہے
آج کل اس کا وطن معبود ہے

ہے عجم دیں سے یہ ظاہر درد مند!
باطن اس کا ہے مگر زنار بند

ہو وہ جس تن میں کرے ملت شکار
ہے فقط ملت کشی اس کا شعار

یوں نفاق اس کا کرے وحدت دو نیم
ملت اس کی اس کے دم سے ہے لئیم

جو بھی ہے غارت گر قوم اے جوان!
جعفر و صادق سے اس کی اصل جان

روح جعفر سے خدا بخشے امان
آج کے بھی جعفروں سے دے امان

قلزم خونیں کے ایک کشتی نشیں کی فریاد

نے عدم راس آئے ہم کو نے وجود
آہ یہ بے مہری بود و نبود

جب یہ چھوٹا ہم سے جہاں شرق و غرب
ہم در دوزخ پہ پہنچے با درد و کرب

ہم پر اس نے کی شرر ریزی نہیں
ایک مشت خاک تک کھینچی نہیں

بولی' دوزخ کو بھلے خاشاک و خس
مجھ کو رکھ ان کافروں سے پاک بس'

چل پڑے پھر ہم سوئے نہ آسماں
اور پہونچے پیش مرگ نا گہاں

موت بولی' جاں مرا راز دوام
تن کو ڈھانا' جاں بچانا میرا کام

دام جان زشت کے گو با یقیں
ایک دو جو کے برابر بھی نہیں

جان کو ڈھانے میرے پاس آیا ہے؟ چل!
چل مری نظروں کے آگے سے نکل

کام ایسا موت سے ہو گا نہیں
جان کو ہے غدار کی راحت کہیں!

ے ہوائے تند! اے دریائے خوں! اے زمیں! اے آسمانِ نیلگوں!
ے نجوم! اے ماہتاب! اے آفتاب اے قلم! اے لوحِ محفوظ! اے کتاب!
ے بتانِ ابیض! اے لُردانِ عرب جن کے لمس میں اک جہاں بے حد و حصر

بے حد و بے انتہا ہے یہ جہاں
ہے مگر غدّار کا مولا کہاں

ا گہاں آئی صدائے ہولناک سینۂ صحرا و دریا چاک چاک
بطِ اقلیمِ بدن غائب ہوا تودے پر تودہ وہاں گرنے لگا
دوں کی طرح اڑتے تھے پہاڑ ہو گیا بے صور سب عالم اجاڑ
نی ہی تابِ دروں سے بجلیاں بحرِ خوں میں ڈھونڈتی تھیں آشیاں
س کی موجیں تھیں بڑی پُر شور و شر غرقِ خوں ہونے لگے کوہ و کمر
ھا قیامت خیز یہ منظر ادھر آہ! اس منظر پہ تاروں نے مگر

ایک بے پروائی سے ڈالی نظر
اور بڑھ کر ہو گئے گرمِ سفر

ـلرد کی جمع، لارڈ کا معرس

افلاک کی سمت

افلاکؔ کی سمت

جرمن فلسفی نطشہ کا مقام

...ہست و فنا ہنگامہ زا — آسماں کا راز کس پر کھل سکا
...لائے ہر جگہ پیغام زیست — مرحبا جس پر کھلے انجامِ زیست
...کہ ہے مثلِ بادارزاں حیات — بے ثبات و با تمنائے ثبات
...کتنے عالمِ شش روزہ بھی — تب یہ حدِ کائنات آخر ملی
...یہاں کے ماہ و پرویں ہیں جدا — زندگی کے رسم و آئیں ہیں جدا
...ہرِ عالم رواں ہے مثلِ زو — سست گام اس جا تو اس جا تندرو
...اپنا ہے یہاں سَنہ، دم وہاں — بیش اس عالم کا ٹھہرے کم وہاں

عقل اپنی اِس جہاں میں ذو فنوں
ہے جہاں میں دوسرے خوار و زبوں

...جہاں کی حد کو چھوتے ہی ادھر — ایک مردِ دردمند آیا نظر
...تھی شاہیں سے اس کی تیز تر — طلعت اس کی شاہدِ سوزِ نظر
...دم سوزِ درونِ اس کا فزوں — اس کے لب پر تھی یہ بیت پر فسوں

نہیں جبریل و حور اس کی نظر میں نے خداوندی
وہ مشتِ خاک پھونکے جس کی جاں کو آرزو مندی

...نے رومی سے کہا "سنیئے ذرا — کون یہ دیوانہ ہے کہیئے ذرا"
...کے استفسار میرا مولوی — بولے "یہ فرزانہ ہے المانوی
...یاں کے درمیاں ہے اس کی جائے — نغمۂ دیرینہ اس کی نے میں ہے

...یا ۲ تیز رو ۳ ماہ کا مخفف، مہینہ ۴ کارآمد ۵ پیشانی

یعنی یہ حلاجِ بے دار و رسن
حرفِ بے باک اس کا، فکر اس کی عظیم
جذبہ کچھ اس کا نہ ان پر کھل سکا
عشق و مستی سے ہیں عاقل بے نصیب
جن کو کچھ آتا نہیں جز ریو و رنگ
ابن سینا علم پر تکیہ کرے
تھا وہ اک حلاج ایسا کم نصیب
روح تو ملا کی اس نے قبض کی
مرد رہ داں تھا نہ اک افرنگ میں
راہرو کو رہ نہ دکھلایا کوئی
نقد کو پرکھا کسی نے بھی نہیں
عاشق اپنی آہ میں گم ہو گیا
ٹکڑے ہر جام اس کی مستی نے کیا
دیکھنا چاہا بہ چشمِ ظاہری
آب و گل سے تاکہ باہر آ سکے
تھا وہ جویائے مقامِ کبریا
زندگی شرحِ اشاراتِ خودی
وہ مقامِ لا میں کھو کر رہ گیا
مختصر یہ ہے کہ وہ مردِ خدا
تھا تجلی سے قریب اور بے خبر
رویتِ آدم کا وہ جویا رہا

طرزِ نو سے کہہ گیا حرفِ
اہلِ مغرب کو کیا جس نے د
بندۂ مجذوب کو مجنون
نبض دیدی اس کی در دستِ ط
آہ! وہ مجذوب اور ارضِ
رگ زنی یا حبِ خواب آور د
آپ تھا جو شہر میں اپنے
جاں طبیبوں نے، پر اس کی
نغمے جاگے تھے جو اس کے
واردات اس کی خلل پرور
قدر اس کی کارواں نے کی
سالک اپنی راہ میں گم ہو گ
کیا خدا وہ دور خود سے جا
اختلاطِ قاہری با دلب
کشتِ دل میں خوشہ کوئی لا
عقل و حکمت سے جو کچھ ہے
لا و الا ہیں مقامات
جانبِ الا نہ چل کر جا
عبدہٗ کی چھب سے بیگا
ہو تنے سے میوہ جیسے دو
ہے کہاں آدم؟ یہ نعرہ

خاکیوں سے ورنہ وہ بیزار تھا ۔۔۔ مثلِ موسیٰ طالبِ دیدار تھا
کاش وہ ہوتا بہ عہدِ احمدیؒ ● ۔۔۔ تا کہ پاتا کچھ سرورِ سرمدی
خود سے اس کی عقل محوِ گفت گو ۔۔۔ اپنی رہ تو چل کہ ہے یہ رہ نکو[۱]

دیکھ آگے آ رہا ہے وہ مقام
ہے جہاں بے حرف بھی پیدا کلام

جنّت الفردوس کی سمت روانگی

مجھ سے چھوٹیں یہ حدودِ کائنات ۔۔۔ سامنے تھا اک جہانِ بے جہات
وہ جہاں تھا بے یمین[۲] و بے یسار[۳] ۔۔۔ لیل[۴] بھی اس میں نہ تھا کوئی نہار[۵]
اس کی قندیل اس جگہ بجھتی نہ تھی ۔۔۔ 'ہر طرف اک روشنی ہی روشنی'
اللہ اللہ ہیبتِ معنیٰ وہ تھی ۔۔۔ حرف نے میرے تڑپ کر جان دی

کیا زبانِ آب و گل سے ذکرِ جاں
پر قفس میں کھولنا آساں کہاں

کر جہانِ دل پر اپنے اک نظر ۔۔۔ تا ہو اپنے نور سے روشن بصر
کیا ہے دل، اک عالمِ بے رنگ و بوُ ۔۔۔ عالمِ بے رنگ و بوُ بے چار سوُ
ساکن و ہر لحظہ ہے سیّار دل ۔۔۔ عالمِ احوالِ دل، افکارِ دل
ہے حقائق آشنا رفتارِ عقل ۔۔۔ سیرِ دل بے جادہ و رفتار و نقل
سو خیال اک دوسرے سے سب جُدا ۔۔۔ یہ ہے گردوں آشنا وہ نارسا
کون جانے یہ ہے گردوں آشنا ۔۔۔ دوسرا پہلو میں اس کے نارسا

● احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ [۱] نیک، درست [۲] دایاں [۳] بایاں [۴] رات [۵] دن

مسرخوشی دیتا ہے اک دیدار دوست — دو قدم لے چل ہو لئے کوئے دوست

جاگتی ہو آنکھ یا ہو محوِ خواب — دل تو دیکھے بے شعاعِ آفتاب

ہے جہانِ دل کی صورت وہ جہاں — ہے وہ دور از ہر قیاس و ہر گمان

اُس جہاں میں ہے جہاں اک اور ہی — اصل اس کی کن فکاں اک اور ہی

لازوال اور ہر گھڑی نوعِ دگر — وہم میں آئے نہ، پر آئے نظر

دمبدم حاصل اُسے تازہ کمال — دمبدم اس کو ملے تازہ جمال

وقت اس کا بے نیازِ ماہ و مہر — اس کے آنگن میں سمائیں نہ سپہر

غیب میں جو کچھ ہے ہاں آئے، رو برو — دل میں قبل اس کے کہ جاگے آرزو

کیا بتاؤں میں جگہ کیسی وہ تھی — سر بسر نور و حضور و زندگی

اس کے کہساروں میں لالہ صد تو فگن — اس کے گلزاروں میں نہریں گامزن

اس کے غنچے سرخ و اسپید و کبود[1] — قدسیوں کے دم سے تھی جن کی کشود

آب چاندی سا، ہوائیں عنبریں — قصر ایسے جن پہ گنبد زمردیں

خیمے یاقوتی، لیئے زریں طناب — شاہدوں کی تھی جبیں آئینہ تاب

رومی بولے "اے گرفتارِ قیاس — چھوڑ دے سب اعتباراتِ حواس

ٹھہرے دوزخ اس جگہ ہر کارِ زشت — اور کارِ خوب یاں ٹھہرے بہشت

یہ جو ہیں سب قصر ہائے رنگ رنگ — ان کی اصل اعمال ہیں نے خشت و سنگ

تو سمجھتا ہے جنھیں غلمان و حور — ہے یہ سب اک عالمِ جذب و سرور

زندگی بس اس جگہ دیدار ہے — لذتِ دیدار ہے، گفتار ہے

قصرِ شرف النساء

عرض کی میں نے "یہ قصرِ لعلِ ناب — جس کے آگے سر بہ سجدہ آفتاب

[1] اودے [2] کھلنا

یہ مقامِ اوج ، یہ کاخِ بلند — جس کے دربر حوریاں احرام بند
جستجو دی سالکوں کو آپ نے — اس کا مالک کون ہے بتلایئے؟
بولے "ہے کاشانۂ شرف النسا — مرغِ بام اس کا ملک کا ہم نوا
بحر میں ایسا کوئی موتی نہیں — ایسی بیٹی کوئی ماں رکھتی نہیں
س کے مرقد سے ہے لاہور آسماں — کس نے جانا اس کا راز اے جانِ جاں!
وہ سراپا ذوق و شوق و درد و داغ — حاکمِ پنجاب کی چشم و چراغ
وہ فروغِ دودۂ عبد الصمد — فقر ہے رخشندہ اس کا تا ابد
تھی تپاں قرآں سے اس کی زندگی — ایک پل غافل تلاوت سے نہ تھی
تھی کمر میں تیغ اور قرآں بہ دست — تن بدن ، ہوش و حواس اللہ مست
خلوت و شمشیر و قرآن و نماز — اے خوشا جو عمر ہو نذرِ نیاز
آخر جب وقت اس کا آگیا — ماں کی جانب دیکھ کر اس نے کہا
راز اپنا کھولتی ہوں آپ پر — کیجیے اس شمشیر و قرآں پر نظر
س محافظ ایک دو جے کے ہیں یہ — ہیں یہ محور کائناتِ زیست کے
ں جہاں میں ہے جہاں کم ہر نفس — آپ کی بیٹی کو یہ محرم ہیں بس
پ سے اک آخری ہے التجا — مجھ کو ان دونوں سے مت کیجے جدا
ل لگا کر مجھ سے سن لیجے ذرا — رہنے دیجے قبر میری بے دیا

مومنوں کو تیغ اور قرآں ہے بس
میری تربت پر یہی ساماں ہے بس!"

ک زمانے تک تہہ زریں قباب — قبر پر اس کی رہے تیغ و کتاب
س طرح اس کی لحد دیتی رہی — اہلِ حق کو اک پیامِ زندگی
پھر مسلماں نے کیا جو بھی کیا — وقت نے اس کو مٹا کر رکھ دیا

ـه نسل ـه قبہ کی جمع گنبد

غیرِ حق کا اس نے اندیشہ کیا — شیرِ حق نے رد ہی پیشہ کی
دل سے اس کے تاب رخصت ہو گئی — رونقِ پنجاب رخصت ہو گ
خالصہ[1] شمشیر و قرآں لے گیا
اور مسلمانی کا پھر لاشہ اٹھا

زیارتِ امیرِ کبیر حضرت سیّد علی ہمدانی
و
مُلّا طاہر غنی کاشمیری

حرفِ رومی نے مجھے تڑپا دیا — آہ اے پنجاب! آہ وہ ارضِ ع
تب سے یاروں کے جل اٹھا خلد میں — کہنہ سارے غم لے آیا خلد می
ناگہاں تب اک صدائے دردمند — حوضِ کوثر سے سنی ہوتی بلن
'کر رہا ہوں جمع مشتِ خاکِ خود کو پھونکنے
گُل نے سمجھا میں بناتا ہوں چمن میں آشیاں'
رومی بولے "دیکھ آگے کر نظر" — دل نہ ہار اس پر جو گذرا اسے پ
شاعرِ رنگیں نوا طاہر غنی — فقر جس کا باطن و ظاہر غ
نغمہ خواں ہے وہ سدا مستِ مدام — در حضورِ سیّد والا مقا
سید السادات، سالارِ عجم — یعنی وہ معمارِ تقدیرِ ا
درسِ اللہ ہو، غزالی نے دیا — ذکر و فکر اس کے قبیلے سے
رہ نمائے خطۂ مینو نظیر — میر و درویش و سلاطیں کا امی
خطے کو وہ شاہِ دریا آستیں — دے گیا تہذیب و صنعت علم و د
اک بنایا اس نے ایرانِ صغیر — باہنر ہائے غریب و دل پذ

[2] بلند و برتر [3] سید علی ہمدانی
[1] کسی سکھ نے دولت کے شبہ میں قبر سے ملحقہ چبوترے کو جس میں شمشیر و قرآن دفن تھے توڑ دیا۔

اک نظر اس کی کرے وا ہر گرہ
اٹھ اور اس کے تیر کو دے دل میں رہ

شاہ ہمداں کے حضور میں

زندہ رود

"سرّ یزداں کھولئے مجھ پر ذرا
مجھ پہ کچھ کھلتا نہیں یہ ماجرا
ہم سے تو اپنی اطاعت کو کہا
اور پھر شیطان کو پیدا کیا
زشت و ناخوش کو کیا آراستہ
کر عمل تو نیک، پھر ہم سے کہا
کہیے آخر یہ فسوں سازی ہے کیا؟
با قمار° بد نشیں بازی ہے کیا؟
مشتِ خاک اور یہ سپہر کج ادا
کام کیا زیبا ہے جو اس نے کیا
جو ہمارے کام ہیں افکار ہیں
سب ہمارے حق میں اک آزار ہیں
اپنا ہی آزار کام اپنا بنا
اپنے دانتوں ہاتھ اپنے کاٹنا"

شاہ ہمداں

بندہ وہ جو خود کی رکھتا ہو خبر
شر سے وہ پیدا کرے خیر اے پسر!
دیو سے ہے بزم آدم کو وبال
رزم آرائی میں ہے شانِ جمال
اہرمن سے پنجہ کش ہو اے جواں
تو ہے تیغ اور وہ ہے اک سنگ فساں
تیز تر ہو، تا ہو تیری ضرب سخت
ورنہ ٹھہرے دو جہاں میں تیرہ بخت

° لونڈی

زندہ رُود

زیرِ گردوں آدم، آدم کو چبائے — ایک ملّت دوسری ملت کو کھائے

اہل خطّہ ہیں زبوں، زار و نژند — دل سے اٹھیں نالہ ہائے درد مند

زیرک و درّاک و خوش دل ہے یہ قوم — اپنی تردستی میں کامل ہے یہ قوم

اس کے خوں سے جام اس کا ارغواں — اس کے مضموں سے مری نَے میں فغاں

ہے خودی سے اپنی ناداں بے نصیب — اپنی ہی بستی میں بے چارہ غریب

مزد اس کی دوسرے ہاتھوں میں جائے — اوروں کا جال اس کی مچھلی کو پھنسائے

کارواں ہے سوئے منزل تیز گام! — کام ہے ناخوب اس کا اور خام

بندگی سے جذبے اس کے مر چکے — شعلے اس کی تاک کے ٹھنڈے ہوئے

یہ نہیں کہ ابتدا سے ہے یونہی — ہے جبیں فرسا ہمیشہ سے یونہی

یہ یقیناً صف شکن بھی تھی کبھی — یہ جیرہ و جانباز بھی، پُردم بھی تھی

دیکھ اس کے کوہ ہائے خنگ سار* — دیکھ اس کے آتشیں دستِ چنار

لعل در آغوش ہر اک اس کا سنگ — خاک سے اس کی اٹھے طوفانِ رنگ

وادیوں میں ابر پارے گھومتے — روئی کے گالے سے وہ اڑتے ہوئے

کوہ و دریا اور غروبِ آفتاب — میں نے دیکھا واں خدا کو بے حجاب

تھی نسیمِ صبح، میں تھا، باغ میں — "بشنو از نَے"** گنگناتا باغ*** میں

اتنے میں بولا یہ مرغِ شاخسار — "ایک دمڑی میں ہے مہنگی یہ بہار

نرگسِ شہلا کھلی، لالہ کھلا — چاک چاک اس کا گریباں ہو گیا

نسترن سے مہکے سب کوہ و کمر — چاند کی کرنوں سے بھی پاکیزہ تر

اس چمن میں گل نے سامانِ سفر — بارہا باندھا بھی، کھولا بھی، مگر

---

* سفید سر والے یعنی برف پوش ** تلمیح بشعر رومی "بشنو از نے چوں حکایت می کند" الخ *** نشاط باغ کشمیر

پھر شہاب الدین کوئی دوسرا! آہ! اپنی خاک سے کب اٹھ سکا

میری جاں کو دے گیا سوزِ دگر الاماں وہ نالۂ مرغِ سحر

ایک دیوانہ ملا محوِ خروش

جس نے چھینے مجھ سے میرے صبر و ہوش

○

جا مجھ سے کوئی نالۂ مستانہ اب نہ مانگ

یہ شاخِ گل ہے صرف طلسماتِ رنگ و بو

لالے سے یہ جو قطرۂ شبنم چکیدہ ہے

غافل! یہ دل ہے گریہ کناں اک کنارِ جو

یہ مشتِ پر کہاں، یہ سرود و فغاں کہاں

روحِ غنی ہے ماتمیِ مرگِ آرزو!

بادِ صبا! جو تیرا جنیوا سے ہو گذر

کہہ دے ضرور مجلسِ اقوام سے یہ تو

دہقاں کو بھی بیچ رہے ہیں، بیچ رہے ہیں کشت و خیاباں

قومیں بھی بکتی ہیں یہاں پر اور بکتی ہیں کتنی ارزاں!

○ کشمیر کا ایک سلطان ○○ لیگ آف نیشنز

شاہِ ہمداں

رمز باریک اک کہوں گا اے پسر
ہے بدن خاک اور جاں والا گہر

جاں کی خاطر تن گھلانا چاہیے
پاک کو تو خاک سے پہچان لے

تن سے کاٹے تو اگر اک لخت تن
پھر وہ ہاتھ آتا نہیں لختِ بدن

ہو اگر جاں، جلوہ مست، اے خوش صفات!
ہاتھ سے جائے تو آئے تیرے ہات

اس کے جوہر کے نہ کچھ مانند ہے
بند میں رہ کر بھی وہ بے بند ہے

کچھ نگہداری جو اس کی کیجیے
تن کے اندر ختم ہو جاتی ہے یہ

ہے فنا اس کا مقدر مثلِ تن
اس کو چھوڑ کو تو فروغِ انجمن

کیا ہے جانِ جلوہ مست اے مردِ راد؟
جان دینے سے سمجھ ہے کیا مراد

جان دینا ہوتا ہے مشغولِ حق
کوہ کو کرتا ہے سوزِ جاں سے شق

جلوہ مستی؟ آپ کو پہچاننا
مثل کوکب رات کو اجیالنا!

تو نہ پائے آپ کو گر اے پسر
ہے نہ ہونے کے برابر اے پسر

'خود' کو پانا کیا ہے؟ سمجھا چاہیے
'خود' کا، 'خود' کو بخشنا کہیے اسے

'خود' کو دیکھے 'غیرِ خود' جو چھوڑ کر!
'خود' کے زنداں کو وہ نکلے توڑ کر

دیکھ کر 'خود' کو جو جلوہ مست ہو
نوش سے بہتر وہ سمجھے نیش کو

مثلِ باد ارزاں ہے، جاں اس کے لئے
اس کے آگے اس کا زنداں کانپ اٹھے

تیشہ اس کا سنگِ خارہ چیر دے
تا نصیب اپنا وہ حاصل کر سکے

جاں سے وہ گذرے تو اس کی جاں ہے جاں
ورنہ ہے دو ایک دم کی میہماں

لہ بہادر بسنگی

زندہ رود

ن کردی حکمتِ ہر خیر و شر — فاش کیجے اور بھی نکتے، مگر
شدِ معنی نگاہاں آپ ہیں — محرمِ اسرارِ شاہاں آپ ہیں

ہم فقیر اور حکمراں مانگے خراج
کیا ہے اصلِ اعتبارِ تخت و تاج؟

شاہِ ہمدان

ن شاہی کیا ہے اندر شرق و غرب — یا رضائے امتاں یا حرب و ضرب
ق تر کہتا ہوں اے والا مقام — اِن سے ہٹ کر باج دینا ہے حرام
اولی الامر، اس کی منکم شان ہے — آیۂ حق اس کو اک برہان ہے
جواں وہ جو ہے صرصرِ تند خیز — شہر گیر اور خود سے بھی محوِ ستیز
وہ ایراں یا کہ ہو ہندوستاں — سب کی ممکن ہے خرید اے نوجواں
ت مشکل ہے زمانے میں مگر — بادشاہی کی خرید اے خوش سیر
م جمشید اے جوانِ باہنر — بیچتا ہی کب ہے کوئی شیشہ گر

اور بکتا ہے تو وہ شیشہ ہے بس
ٹوٹنا اس کا فقط پیشہ ہے بس

غنی

ں نے تجھ کو ذوقِ آزادی دیا؟ — صید کو سودائے صیادی دیا

تلمیح بہ آیۂ قرآنی ...... اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ اطاعت کرو خدا کی اور رسول کی اور اس کی جو تم میں سے حاکم ہو۔ ۞ تلمیح بہ کتاب الملوک تصنیف شاہ ہمدان

وہ برہمن زادگانِ زندہ دل٭ جن کے رخ سے لالۂ احمر خجل
تیز بین و پختہ کار و سخت کوش ہے نظر میں جن کی پیغامِ خردوش
اُن کی بھی یہ خاک دامن گیر ہے مطلع ان تاروں کا بھی کشمیر ہے
یہ ہماری خاک اگر ہے بے شرر کر ذرا اپنے دروں پر بھی نظر
ہے کہاں سے، سوز جو رکھتا ہے تو؟ ہے کہاں سے یہ دمِ بادِ نمو؟

یہ ہوا وہ ہے کہ جس کے فیض سے
رنگ و بُو ہے کوہساروں میں مرے

کل وُلر٭٭ میں بات یہ میں نے سنی موج سے اک موج یہ کہنے لگی
کب تلک باہم دگر ٹکرائیں ہم اُٹھ کہ اب ساحل سے سر ٹکرائیں ہم
اپنی بیٹی یعنی وہ جوئے کہن شور انگیز اس سے سب کوہ و دمن
سنگِ رہ سے ہر گھڑی ٹکرائے وہ تا، بنائے کوہ کو لرزائے وہ
جس نے شہر و دشت جیتا وہ جواں پرورش دیں اس کو سَو مائیں پہا
سطوت اس کی حشر بردر بالیقیں ہم سے ہے وہ اور کسی سے بھی نہیں
حدِّ ساحل٭٭٭ میں تو جینا ہے گناہ ساحل اپنا کیا ہے؟ اپنا سنگِ ا
ہے گراں کوشی فقط مرگِ دوام بحر میں ہو گرچہ غلطاں صبح و شا

زندگی ہے سیر کوہ و دشت سے
اے خوشا جو موج ساحل چھوڑ دے

تو پڑھے تحریرِ سیمائے حیات دے دیا مشرق کو غوغائے حیات
آہ تیری پھونک دے تیرا جگر اِس سے تو بیتاب، ہم بیتاب

٭ ہنر و خاندان مراد ہے (م م) ٭٭ کشمیر کی جھیل ٭٭٭ ساحل کی تلاش

ی مرغِ چمن کو ہائے و ہو — اشک سے تیرے کرے سبزہ وضو
ی کشتِ گل کو لہلہائے — تیری اُمید آس کو سب کی بڑھائے
ں کو ہے صدا تیری درا! — کیوں تو مایوس اہلِ خطّہ سے ہوا
سینوں میں دلِ مردہ نہیں — اخگران کاخ میں افسردہ نہیں
ے گا تو کہ ہے آوازِ صور — جنم دے گی ملت اک خاکِ قبور
ٹھا اے بندۂ صاحب نظر — کھینچ وہ آہ پھونک دے جو خشک و تر
ں کو زیرِ سپہرِ لاجورد — پھونک دے سوزِ دلِ درویش مرد
ت نازک ہے مانندِ حباب — س کو کر سکتے ہیں اک دم میں خراب
ے شکلِ تقدیرِ اُمم — اس سے ہے تخریب و تعمیرِ اُمم
نشتر نے خریدے دل مگر — تجھ سا بھی کوئی نہ آئے گا نظر
ردہ ہے نوائے شاعری — ہے مگر یہ ماورائے شاعری

تازہ اک آشوب اُٹھا دے خلد میں
نغمہ اک اپنا سنا دے خلد میں

زندہ رود

ڈوب جا نشۂ درویشی میں ہر پل، ہر دم
پختہ ہو جائے تو ہو جلوہ دہ تختِ جم
پوچھتے ہیں کہ جہاں میرا تجھے راس آیا؟
میں نے کی عرض "نہیں" بولے کہ کر دے برہم
آہ امیخانوں میں شائستہ حریف ایک نہیں
مغبچے کیا ہیں کہ ہم پیالہ ہو تیرا رستم

دیکھ اے لالۂ صحرائی! نہ جل یوں تنہا
ہو ترا داغِ جگر اور ہو قلبِ آدم
اس کا ہر سوزِ دروں، گرمیِ خوں ہے تو ہی
نہ یقیں آئے تو کر چاک یہ پیکِ عالم
عقل ہے تیری دیارِ رہگذر میں رکھ دے
عشق ہے جام ترا، چاہے جو یارِ محرم
میری آنکھوں سے رواں لختِ دلِ پر خوں ہے
ہو یہی لعلِ بدخشاں ترے خاتم کا بھرم

شاعرِ ہندی بھرتری ہری کے ساتھ

حوریاں جلوہ دہِ قصر و خیام — میرا نالہ دعوتِ سوز تمام
سر نکالے خیمے سے باہر کوئی — اور کسی کھڑکی سے جھانکے دوسری
میں نے جنت میں ہر اک دل کو دیا — اس جہاں کے درد و غم کا کچھ پت
زیرِ لب ہنستے تھے پیرِ پاک زاد — بولے "اے جادو گرِ ہندی نژاد
کر تو اپردازِ ہندی پہ نظر — اک نظر سے اس کی ہے شبنم گہر
نام ہے اس نکتہ ور کا بھرتری — ہے جو فطرت میں سحابِ آذری
وہ چمن سے غنچۂ نورس چنے — تیرا نغمہ اس کو ہم تک کھینچ لائے
بادشہ، جس کی نوا ہے ارجمند — فقر میں بھی ہے مقام اس کا بلند
نقش آرا اس کی ہے فکرِ شگرف[۱] — اک جہانِ معنی ہے اس کا حرف حرف
کارگاہِ زیست کا محرم ہے وہ — شعر اس کا جامِ جم ہے، جم ہے وہ"

۱؎ نادر

پھر کھڑے ہو کر اسے تعظیم دی
اور اُس کے ساتھ محفل جھوم گئی

زندہ رود

نے کھولے نکتہ ہائے دل نواز — تجھ سے مشرق بن گیا دانائے راز
ہیں اے نکتہ سنج خوش نوا — سوز آتا ہے کہاں سے یہ بتا
یہ کچھ کھلتا نہیں یہ ماجرا — یعنی اصل اس کی خودی ہے یا خدا؟

بھرتری ہری

ن جانے ہے کہاں شاعر چھپا — اس کا پردہ ہے بم و زیر نوا
لو حاصل ہے دلِ گرم و فگار — پیشِ یزداں بھی نہیں جس کو قرار
ل کو لذت بخشتی ہے جستجو — سوز بخشِ شعر ہے، بس آرزو
سخن کی مے سے ہے مستِ مدام — ہاں تجھے آئے میسر یہ مقام

شعر اگر دو ایک لا سکتا ہے تو
حور کا دل بھی اُڑا سکتا ہے تو

زندہ رود

کھا رہے ہیں اہل ہند اک پیچ و تاب
وقت ہے اب، سرِّ حق کر بے حجاب

بھرتری ہری

یہ خدایانِ تنک مایہ ہیں سب سنگ و خشت
بھرتری دیر کا جویا نہ ہوا خواہ کنشت
سجدہ بے ذوقِ عمل خشک ہے منزل سے پرے
زیست کردار ہی کردار ہے، زیبا ہو کہ زشت
سب سے پوشیدہ ہے جو بات بتاتا ہوں تجھے
اے خوشا جو ورقِ دل پہ یہ رکھتا ہو نوشت
کہ نہیں ہے یہ جہاں کچھ اثرِ یزداں سے
چرخ بھی تجھ سے ہے اور دھا گر بھی اے نیک سرشت!
سر جھکا اپنا مکافاتِ عمل کے آگے
کہ عمل ہی سے ہے دوزخ ہو کہ اعراف و بہشت

(بھرتری ہری سے ترجمہ)

سلاطینِ مشرق کے محل کی سمت روانگی

(نادر، ابدالی، سلطان شہیدؒ)

جاں فزا تھی وہ صدائے بھرتری
اللہ اللہ وہ نوائے بھرتری
رومی بولے "چشمِ دل بیدار رکھ
دور ہر اک حلقۂ افکار رکھ
بزمِ درویشاں میں تھی اب تک گذر
کر اب اس کاخِ سلاطیں پر نظر

خسروانِ مشرق اندر انجمن — سطوتِ ایران و افغان و دکن
فاش تھی نادر پہ رمزِ اتحاد — دے گیا مسلم کو پیغامِ وداد[۱]
اور ابدالی کہ ہے جس کا وجود — اک نشانِ حق، بہ بزمِ ہست و بود
ملّتِ افغاں کو جس نے کی عطا — اک اساسِ محکم، اے اصلِ علی!
وہ شہیدانِ محبت[۲] کا امام — آبروئے ہند و چین و روم و شام
مہر و مہ سے نام وہ تابندہ تر — اُس کی خاکِ قبر ہم سے زندہ تر
عشق تھا اک راز صحرا میں چھپا — کیا ہی مشتاقانہ جاں وہ دے گیا
فیضِ بہ چشمِ خواجہ[۳] بدر و حنین — فقرِ سلطان وارثِ جذبِ حسینؓ

چھوڑ دی اُس نے سرائے ہفت روز
نوبت اس کی تو دکن میں ہے ہنوز"

فکر ناقص ہے مری، اظہار خام — کیا بتاؤں میں کہ تھا وہ کیا مقام
اس کے ان جلوؤں سے تھے نوری بصیر — زندہ و دانا و گویا و خبیر
قصر، جس کے بام و در فیروزہ فام — آسماں جس میں سما جائے تمام
رفعت اس کی برتر از چند و چگوں — جو کرے اندیشے کو خوار و زبوں
وہ گل و سرو و سمن وہ جوئبار — جو لطافت میں تھے تصویرِ بہار
برگِ گل وہ اس کے وہ برگِ شجر — ہر گھڑی جن میں عیاں رنگِ دگر
تھی فسوں گر اس قدر بادِ صبا — مارتے پل[۴] زرد احمر ہو گیا
ہر طرف فوارے تھے گوہر فروش — طائرانِ خلد مصرفِ خروش
تھی وہاں اک بارگاہِ ارجمند — جس کا ذرہ پھینکے سورج پر کمند
تھے عقیقی جس کے سارے بام و در — ریشمی تھا فرش جس کا سر بسر
دائیں بائیں جس طرف بھی دیکھیے — حوریاں استادہ صف باندھے ہوئے

---

۱ دوستی ۲ محبت ۳ سلطان ٹیپو ۴ پلک

پیچ میں رکھے تھے کچھ اورنگِ[۱] زر | خسروانِ جم حشم تھے جلوہ گ
رومی وہ آئینۂ حسن و ادب | باکمالِ دلبری وا کر کے لب
بولے "خاکِ مشرق کا شاعر ہے یہ | کہیے کیا شاعر کہ اک ساحر ہے
فکرِ باریک اس کی جاں ہے دردمند
شعر اس کا سوز بخش و ارجمند"

نادر

مرحبا اے نکتہ سنجِ خاوری | زیب دیتا ہے تجھے حرفِ در
ہم ہیں تیرے محرمِ راز اے بصیر! | ہم کو دے ایراں کی بھی کچھ خب

زندہ رود

بعد مدت آنکھ کھولی آپ پر | دام میں اک آ پھنسا ہے وہ
کشتۂ نازِ بتانِ شوخ و شنگ | خالقِ تہذیب و تقلیدِ فرنگ
ہو گیا وارفتۂ ملک و نسب | ذکرِ شاپور اور تحقیرِ عرب
روز و شب اس کے ہیں سب یہ واردات | وہ قبورِ کہنہ میں ڈھونڈے حیات
چھوڑ کر خود کو وطن کا ہو گیا | ٹوٹ کر حیدرؓ سے رستم پر فد
نقشِ باطل وہ چُنے افرنگ سے
سرگذشت اپنی سُنے افرنگ سے
وہ قدیم ایراں، وہ عہدِ یزدجرد | چہرہ اس کا بے فروغ اور خون
دین و آئین و نظام اس کے کہن | شیدؔ و تار[۲] و صبح و شام اس کے کہ
شیشہ اس کا خالی مے سے سر بسر | اس کی مٹی میں نہ تھا کوئی ش

۱ تخت ۲ روشنی اور تاریکی

...ں پہ صحرا نے قیامت بھیج دی — جس نے دی اس کو نئی اک زندگی
...ے قیامت ایسی اک فضلِ خدا — پارس باقی، رومۃ الکبریٰ فنا
...س بدن سے جا چکی ہو جانِ پاک — ہے قیامت پھر نہ زندہ ہو وہ خاک
...دِ صحرائی اُسے جاں دے گیا — اور پھر صحرا کو اپنے چل دیا!
...نگی کو دھو کے وہ رخصت ہوا — برگ و سازِ عصرِ نو وہ دے گیا

سارے احسانِ عرب دل سے بھلائے
آتشِ افرنگیاں سے پگھلا جائے

...وحِ ناصر خسرو علوی نمودار ہوتی ہے اور مستانہ وار غزل سرائی کرتی ہوئی غائب ہو جاتی ہے

مرکبِ تیغ و قلم ہے تیرے قابو میں اگر
مرکبِ تن لنگ ہو یا تیز پا ہو غم نہ کر
ہے ہنر نوکِ قلم سے یا سرِ شمشیر سے
ناروَن[1] سے نار جیسے، نار سے نور اے پسر!
گر نہیں دیں تو نہیں کچھ کلک[2] و آہن کا مول
ہو قلم یا تیغ بے دیں کے لیے ہے بے ہنر
دیں ہو دانا سے گرامی اور ناداں سے ہو خوار
دین اور ناداں ہیں جیسے یاسمن اور گاؤ خر
جیسے کچھ کرپاس سے الیاس کا کرتہ بنے
اور یہودی کے کفن کا کام دے نصفِ دگر

[1] انار کا درخت [2] قلم

ابدالی

جس جواں نے سلطنت کی تھی بِنا
کوہساروں میں وہ اپنے گھو
شعلہ اس کے کوہساروں سے اٹھا؟
تپ کے وہ کندن بنایا جل بجھ

زندہ رود

ہے زمانے میں اخوت گرم خیز
بھائی سے بھائی یہاں گرم
زندگی مشرق کی ہے اس سے، مگر
طفل دہ سالہ ہے اس کا فوج
بے خبر ہے خود سے، خود سے سرگراں
ممکنات اپنے نہیں اس پر عی
دل سے غافل گرچہ ہے دارائے دل
تن سے ہے تن دور، دل سے دل
راہرو پر کھل سکی ہے راہ کب
ہے مقاصد سے وہ جاں آگاہ ک
نغمہ خواں تھا شاعرِ افغاں شناس٭
جو بھی دیکھا کہہ گیا سب بے
وہ حکیمِ ملتِ افغانیاں
وہ طبیبِ علتِ افغا
رازِ بیباکانہ ملت کا کہا
حرفِ حق اک شوخ و رندانہ
اونٹ اگر پائے کوئی افغان حُر
با یراق و ساز و با انبا

ہمت دوں اسکی وہ انبار در
چھوڑ کر، ہو مستِ بانگِ شتر،

ابدالی

دل سے ہے جسم میں جو بھی سوز و تاب
دل ہی سے ہے ہو وہ بیداری ک
دل مرے تو تن دگرگوں ہو چلے
اس کی نس نس میں عرق خوں

٭ خوشحال خاں خٹک

ہے فسادِ دل سے یہ تن ہیچ، ہیچ
رکھ نظر دل پر یہی، کھا دل پہ ہی پیچ

ایشیا ہے ایک مشتِ آب و گل
ملّتِ افغاں ہے اس میں مثلِ دل

ہے فساد اس کا فسادِ ایشیا
اور کشاد اسکی کشادِ ایشیا

دل ہے گر آزاد، تن آزاد ہے
ورنہ مثلِ کاہ نذرِ باد ہے

مثلِ تن پابندِ آئیں کا ہے دل
کیں سے مردہ، دیں سے زندہ ہے دل

قوّتِ دیں ہے تو بس وحدت سے ہے
پھیلے جب وحدت تو وہ ملّت بنے

شرق نے اپنائی ہے تقلیدِ غرب
جس کو کرنا چاہیئے تنقیدِ غرب

چنگ و نے سے قوّتِ مغرب نہیں
رقص و مے سے قوّتِ مغرب نہیں

اصل اس کی تو نہیں چنگ و رباب
اور نہ رقصِ دختراں بے حجاب

یہ نہ سحرِ ساحرِ خوش رو سے ہے
ساقِ عریاں سے نہ قطعِ مو سے ہے

محکمی اس کی نہ لادینی سے ہے
نے چمک یہ خطِ لاطینی سے ہے

قوّتِ افرنگ علم و فن سے ہے
روشن اس آتش سے ہیں اسکے دیئے

علم میں حارج ہو وضعِ جامہ کیوں
مانعِ حکمت بنے عمامہ کیوں

علم و فن تو اے جوانِ شوخ و شنگ
مغز چاہے ہے نہ ملبوسِ فرنگ

ہے بہت کافی جو رکھتا ہے نگاہ
غم نہیں سر پہ رہے کوئی کلاہ

فکر ہے چالاک تو کافی ہے بس
طبع ہے درّاک تو کافی ہے بس

کھائے جو راتوں کو بس دودِ چراغ
پائے علم و فنّ و حکمت کا سراغ

ملکِ معنی جس کی کوئی حد نہیں
بے جہادِ سخت ملتا ہے کہیں

ہو گیا ہے ترک سے دستِ فرنگ
زہر نوشیں دے اسے دستِ فرنگ

کھوئی تریاقِ عراق اس نے یہاں
ہو خدا اس کا نگہباں اے جواں

اس میں جب پیدا ہوا ذوقِ نمود — غربیوں سے لے اُڑا رقص و سرود

لہو کے بدلے میں ہاری نقدِ جاں — لہو آساں، علم ہے مشکل میاں

تھا تن آساں، کر گیا سہل اختیار — اس کی فطرت کو یہی تھا سازگار

اس زیاں خانے میں خواہش سہل کی
ہے دلیل اس کی کہ جاں تن سے گئی

زندہ رود

کیا بتاؤں کیا ہے تہذیبِ فرنگ — اس میں ہیں آباد سو فردوس رنگ

اس کے جلووں نے جلائے خانماں — پھونک ڈالے شاخ و برگِ آشیاں

ظاہر اس کا روشن و گیرندہ ہے — دل ضعیف اس کا، نگہ کا بندہ ہے

آنکھ جب دیکھے دل اس کا لڑکھڑائے — سر وہ اس بت خانے میں اپنا جھکائے

کون یہ جانے ہے کیا تقدیرِ شرق — گم ہے ظاہر میں ہو کیا تدبیرِ شرق؟

ابدالی

قسمتِ مشرق پہ قادر ہے وہی — عزم و حزمِ پہلوی و نادری

پہلوی وہ وارثِ تختِ قباؔ° — ناخن اس کا عقدۂ ایراں کشا

نادر اک سرمایۂ درّانیاں — وہ نظامِ ملتِ افغانیاں

وہ غمِ دین و وطن میں مردِ نیک — لے کے نکلا لشکرِ جرّار ایک

تھا سپاہی بھی، سپہ گر اور امیر — غیر کو فولاد، اپنوں میں حریر

° قباد کا مخفف (م م) کیقباد، قدیم ایرانی بادشاہ

ود کو جو دیکھے میں اس پہ ہوں فدا
غور جس نے عصرِ حاضر پر کیا

غربیوں کا شیوہ کیا ہے ساحری
تکیہ کرنا غیر پہ ہے کافری

سلطانِ شہید

ے کہ حاصل تجکو حرفِ دل فروز
تیرے اشکوں سے ہوں میں سوزاں ہنوز

کاوِ کاوِ ناخنِ مردانِ راز
کھولے جوئے خوں بہ صد رگ ہائے ساز

دہ نوا جو تیری جاں میں ہے فزوں
دیتی ہے ہر دل کو اک سوزِ دروں

حضرتِ مولائے کُل میں میں گیا
جن کے بن ہوتا نہیں طے راستہ

جرأتِ گفتار ہے کس کو وہاں
ہے فقط دیدار کارِ روح داں

تپ کے تیری گرمیِ افکار سے
شعر تیرے میرے لب پر آ گئے

پ نے فرمایا ہے کس کا کلام
زیست کے ہنگامے ہیں اسمیں تمام"

ے تری جاں میں جو اک سوزِ تمام
رودِ کاویری کو دے میرا پیام

تو بھی زندہ رود، وہ بھی زندہ رود
تجکو خوش آئے سرود اندر سرود

سلطانِ شہید کا پیغام رودِ کاویری کے نام

(حقیقتِ حیات و مرگ و شہادت)

رودِ کاویری ہے آہستہ خرام
تھک گئی کیا کرکے تو سیرِ دوام

ونیٔ مدت تک کہستانوں میں آہ
اپنی مژگاں سے بنائی اپنی راہ

تجھ پہ ہیں قربان جیحون و فرات
ہے دکن میں تیرا آب آب حیا

شہر جو تیرے کنارے ہے بسا
حسنِ نوشیں جلوہ ہے تجھ سے س

وہ ہوا کہنہ جواں ہے تو ابھی
اور رنگ و آب ہے تیرا و

تیری ہر اک موج گوہر جنم دے
تا ابد تو یونہی شوریدہ ر

اے کہ تیرا سازِ سوزِ زندگی
کس کا یہ پیغام ہے؟ جانا

جس کی سطوت کا کیا تو نے طواف
جس کی دولت کا ہے تو آئینہ صا

جس نے صحرا کو کیا جنّت نما
نقش اپنا اپنے خوں سے لکھ گ

خاک جس کی مرجعِ صد آرزو
موج مضطر ہیں تری جس کا ل

جو سراپا صاحب کردار تھا
خواب میں مشرق تھا وہ بیدار تھا

ہیں من و تو موجۂ رودِ حیات
ہے دگرگوں دمبدم یہ کائنات

زندگی ہے انقلابِ دمبدم
جس کو ہے ہر دم سراغِ بیش و

زندہ رفت و بود سے ہے ہر وجود
اور رفت و بود سے ذوق نمو

مثلِ رہروِ راہ بھی محوِ سفر
ہر کہیں پنہاں سفر، پیدا حض

کارواں و ناقہ و دشت و نخیل
سب کو رلواتا ہے اک دردِ رحیل

گل چمن میں میہمانِ یک نفس
رنگ و بو ہے امتحانِ یک نفس

فصلِ گل ماتم بھی ہائے و نوش بھی
غنچہ پرور نعشِ گل بر دوش بھ

میں نے لالے سے کہا "دکھلا وہ سوز"
بولا میرا راز ہے پنہاں ہنو

خار و خس ہی سے تعمیرِ وجود
غیر حسرت کیا ہے یا دانشِ نمو

ہو نہ جلوہ آشنائے ہست و بود
کیوں عدم سے آ گیا سوئے وجود

ۓ شہر سرنگا پٹم مراد ہے۔

و ہاتھ پھیر خود سے نہ دھو — کر تلاشِ خرمن اور آوارہ ہو
وتب رکھتا ہے گر مانندِ مہر — تیری منزل وسعت آبادِ سپہر
و مرغ و گلشن و صحرا جلا — مچھلیوں کو بھی تہہ دریا جلا
ے قابل ترا سینہ ہے، گر — جی مثالِ شاہیں، مثلِ شاہیں مر
ہے غرضِ زیست کو حاصل ثبات — حق سے مانگیں کس لیے طولِ حیات

زندگی کو کیا ہے رسم و دین و کیش
اک دمِ شیری بہ قرباں عمرِ میش[1]

فی کیا ہے؟ تسلیم و رضا — موت؟ نیرنگ و طلسم و سیمیا
ق ہے شیر اور آہو ہے موت — ایک ہے اس کے مقاموں میں موت
یٹتا موت پر ہے اس طرح — باز جھپٹے طائروں پر جس طرح
کے ڈر سے مرے ہر دم غلام — زیست، خوفِ مرگ سے اس کی حرام
آزاد کی ہے شان اور — موت اس کو بخشتی ہے جان اور
ت کا اندیشہ ہے اس کو کہیں! — ایک پل سے بڑھ کے موت اس کی نہیں
جو مرگ پہونچائے لحد — کیونکہ ہے وہ مرگ، مرگِ دام و دد
من مانگے ربّ پاک سے — موت جو اس کو نکالے خاک سے
وہی موت انتہائے راہ شوق — آخری تکبیر در جنگاہِ شوق
شکر ہر موت مومن کے لیے — مرگِ ابنِ مرتضیٰؓ کچھ اور ہے
شاہانِ جہاں غارت گری — جنگِ مومن سنتِ پیغمبری
مومن کیا ہے؟ ہجرت سوئے دوست — ترکِ عالم اختیارِ کوئے دوست
رِ عالمؐ بھی یہ فرما گئے — جنگ اک رہبانیِ اسلام ہے[2]

---

[1] ٹیپو کا مشہور قول [2] حدیث شریف الجہاد رہبانیۃ الاسلام

جز شہید اس نکتے کو جانے نہ کوئی
دے نہ جب تک جان پہچانے نہ کوئی

زندہ رود فردوسِ بریں سے رخصت ہوتا ہے

اور

حورانِ بہشتی ٹھہرنے کا تقاضہ کرتی ہیں

شیشۂ صبر و سکوں تھا ریزہ ریز
پیرِ رومی نے کہا مجھ سے کہ "خیز"

وہ حدیثِ شوق وہ جذب و یقیں
آہ وہ ایوان وہ کاخِ بریں

اک دلِ پُرخوں لیے پہونچا وہاں
اک ہجومِ حور پھر دیکھا وہاں

اُن کے لب پر "زندہ رود اے زندہ رود
زندہ رود! اے صاحبِ سوز و سرود"

شور و غوغا چار جانب سے اُٹھا
"رہ ہمارے ساتھ کچھ دم کو ذرا"

زندہ رود

راہی وہ، رازِ سفر جس پر کھلا
وہ ڈرے منزل سے رہزن سے سوا

عشق بے کل، ہجر ہو وہ یا وصال
کل نہ پائے بے جمالِ لایزال

ہے بتوں کے آگے گرنا ابتدا
دلبروں سے ہے رہائی انتہا

عشقِ بے پروا سدا مستِ رحیل
ہو مکاں یا لامکاں ابن السبیل[1]

---

[1] مسافر

کیش اپنا مثلِ موجِ تیز گام
اختیارِ جادہ و ترکِ مقام

حورانِ بہشت

ہیں ادائیں تیری مثلِ روزگار
اک غزل اپنی سُنا اے باوقار!

غزل زندہ رود

پہونچا نہ آدمی تک، ابھی تو، خدا نہ مانگ
ہو خود سے آشنا کوئی اور آشنا نہ مانگ

پیوستہ شاخِ گل سے ہو، لے اس سے آب و نم
رنگِ پریدہ! موجۂ بادِ صبا نہ مانگ

وہ قطرۂ خونِ دل ہے کہ ہے جس کا نام مشک
پائے گا کیا غزال! خطائیں، خطا نہ مانگ

سلطانیٔ جہاں ہے جہاں میں عیارِ فقر
کر تو سریرِ جم کو طلب، بوریا نہ مانگ

لے اس کا کچھ سراغ خیابانِ لالہ سے
مجھ سے نوائے خوں شدہ بہرِ خدا نہ مانگ

بے کم نظر تو صحبتِ روشن دلاں کو ڈھونڈ
ناداں! پئے علاجِ بصر توتیا نہ مانگ

ہم ہیں قلندر اور جہاں بینی اپنا کام!
کر ہم سے تو نگاہ طلب کیمیا نہ مانگ

حضور

خلد میں گو اس کے جلوے ہیں بسے — جاں کو تسکیں دوست کے دیدار سے
ہم کہ اپنے آپ سے در پردہ ہیں — مثلِ مرغِ آشیاں گم کردہ ہیں
علم کج فطرت ہو یا ہو بد گہر — ہے حجابِ اکبر اک وہ سر بسر
علم کا مقصود اگر ٹھہرے نظر! — ہے وہ تیری راہ، تیرا راہبر
سامنے رکھتے ترے قشرِ[1] وجود — تاکہ تو پوچھے، ہے کیا رازِ نمود
راہ کو ہموار کرتا ہے یونہی — شوق کو بیدار کرتا ہے یونہی
درد و داغ و تاب و تب بخشے تجھے — گریہ ہائے نیم شب بخشے تجھے
علم تفسیرِ جہانِ رنگ و بو — پرورش دے دیدہ و دل کو بھی وہ
تجھ کو جذب و شوق کی منزل پہ لائے — صورتِ جبریل تنہا چھوڑ جائے
کیسے خلوت میں کسی کی عشق جائے — شرم اپنی آنکھ سے خود اس کو آئے
ابتدا اس کی ہے ساتھی اور طریق — انتہا ہے راہ چلنا بے رفیق

رہ گئے پیچھے وہ سب جور و قصور[4]
کشتیِ جاں تھی مری اور بحرِ نور

ہو گیا غرقِ تماشائے جمال — ہر گھڑی اک انقلابِ لایزال
ہو گیا محوِ ضمیرِ کائنات — تھی ربابِ آشنا گاہوں میں حیات
جس کے ہر اک تار میں تھا اک رباب — ہر نوا خونیں قبا، خونیں نقاب
ہم ہیں سب اک دودمانِ[2] نار و نور — آدم و مہر و مہ و جبریل و حور

---

[1] چھلکا [2] خاندان [3] باجتہ [4] قصر کی جمع

جاں کے آگے آئینہ رکھا ہوا
ہے یقیں پر حیرتوں کا سایہ سا

صبحِ امروز اب عیاں ہے جس کا نور
دوش و فردا بیٹھے ہیں اس کے حضور

حق ہویدا اپنے ہی اسرار سے
آنکھ سے میری وہ دیدار اپنی کرے

دیکھنا اس کا ہے بڑھنا بن گھٹے
اور اٹھنا اپنے تن کی قبر سے

عبد ہو وہ یا کہ مولا اے پسر
تاک میں اک دوسرے کی ہیں مگر

اور کیا کہیے کہ قصہ مختصر
دونوں کو بے کل رکھے ذوقِ سفر

زندگی ہر جا ہے محوِ جستجو
یہ نہ جانا صید ہوں میں یا کہ وہ

عشق نے اک لذتِ دیدار دی
اور زباں کو جراتِ گفتار دی

اے دو عالم تجھ سے ہے نور و نظر
اک نظر اس خاکداں پر بھی تو کر

بندۂ آزاد کو ناسازگار
چھوٹے ہے سنبل سے اسکے بوئے خار

غالبوں کا کام ہے عیش و طرب
گنتے ہیں مغلوب اپنے روز و شب

ہے ملوکیت سے جگ تیرا خراب
تیرہ شب ہے باوجودِ آفتاب

دانشِ افرنگیاں غارت گری
دیرِ خیبر ہیں، نہ ہے بے حیدری!

لالہ گو کس قدر بے چارہ ہے
فکرِ بے مرکز ہے اور آوارہ ہے

اس جہاں کے پیچھے ہیں مرگ جار
والی و ملّا و پیر و سود خوار

آہ! یہ عالم نہیں شایاں ترے
آب و گل اک داغ سا دامن پہ ہے"

ندائے جمال

کلکِ حق میں نیک و بد کے نقش تھے
جو بھی ہم کو سازگار آئے نے لکھے

کیا ہے ہونا؟ جاناں اے مردِ نجیب؟ | لینا ذاتِ حق سے آپ اپنا نصیب
جستجو دلبر کی، پیدائی ہے کیا | دوسرے پر آپ کو کرنا ہے وا
یعنی یہ ہنگامہ ہائے ہست و بود | دے ہمارا ہی جمال ان کو وجود
زندگی فانی بھی ہے، باقی بھی ہے | ہے یہ خلاقی بھی، مشتاقی بھی ہے
زندہ ہے تو خالق و مشتاق ہو | ہم سا تو گیرندۂ آفاق ہو
توڑ دے اس کو نہیں جو سازگار | قلب سے اپنے نئی دنیا ابھار
بندۂ آزاد کو ہے بوجھ سی | دوسرے کے گھر میں کرنا زندگی
قوتِ تخلیق ہی جس میں نہیں | کافر و زندیق ہے وہ بالیقیں
جب نصیب اپنا نہ ہم سے لے سکے | پھل نہ کھائے زندگی کے نخل سے

مردِ حق بُرّندہ اک شمشیر بن
خود جہاں کی اپنے تو تقدیر بن

زندہ رُود

کیا ہے آئینِ جہانِ رنگ و بو | آبِ رفتہ پھر نہ پلٹے آبجو
زندگی کو کب سرِ تکرار ہے | کب یہ ظالم خوگرِ تکرار ہے
ناروا رجعت ہے اس کے واسطے | پھر نہ اُٹھے قوم وہ جو گر پڑے

قوم مر جائے تو پھر چھوڑے نہ قبر
اس کا چارہ کچھ نہیں جز قہر و صبر

ندائے جمال

زندگانی کب ہے تکرارِ نفس | وصل اس کی حیّ و قائم سے ہے بس

قعرِ جاں سے جو کہے 'اِنّی قریب' — ہے حیاتِ جاوداں اُس کا نصیب
فرد لاہوتی بنے توحید سے — قوم جبروتی بنے توحید سے
شبلیؒ و بوذرؓ اسی کی دین ہیں — طغرل و سنجر اسی کی دین ہیں
بے تجلی کب ہے آدم کو ثباتِ — میرا جلوہ فرد و ملت کی حیات
ہر دو کو توحید ہی بخشے کمال — زندگی کو یہ جلال اور وہ جمال
یہ سلیمانیؑ ہے وہ سلمانیؓ ہے — یہ سراپا فقر وہ سلطانی ہے

ایک وہ دیکھے یہ خود ہے ایک ہی
بیٹھ اس کے ساتھ، اسکے ساتھ جی!

کیا ہے ملت کلمہ گوئے لا الٰہ — ہیں ہزاروں آنکھیں لیکن اک نگاہ
اہلِ حق کو حجت و دعوٰی ہے ایک — ہیں جدا خیمے ہمارے دل ہیں ایک
یک نگاہی سے ہے ذرہ آفتاب — یک نگہ ہو تا کہ حق ہو بے حجاب
یک نگاہی پر نگاہ کم نہ کر — جلوۂ توحید ہے یہ بے خبر

قوم وہ جو ہو چلے توحید مست
وہ بنے خنجر بکف قوت بہ دست

روحِ ملت چاہتی ہے انجمن — روحِ ملت کب ہے محتاجِ بدن
اس کی ہستی کی ہے صحبت سے نمود — ختم ہو صحبت تو ٹھہرے بے وجود
یک نگاہی کے کرم سے زندہ ہو — چھوڑ دے بے مرکزی پائندہ ہو

وحدتِ افکار و کردار آفریں
بن سکے ہو اس دہر میں صاحب نگیں

زندہ رود

ہیں من و تو کون؟ عالم ہے کہاں؟ — کیوں ہے دوری تیرے میرے درمیاں؟
میں پھنسا کیوں دام میں تقدیر کے — تو ہے قائم، موت کیوں میرے لیے؟

ندائے جمال

زیست ہے تو جس جہاں میں کر رہا — جو ہوا گم واں، وہیں وہ مر رہا
زندگانی کا ہے تو طالب اگر — بے خبر اپنی خودی کو پیش کر
بات ہے اتنی سی قصۂ مختصر — چار سو کو اپنے اندر غرق کر
دیکھ تب میں کون ہوں تو کون ہے
کیا ہے جلنا موت کہتے ہیں کسے؟

زندہ رود

عذر سن اس مردِ ناداں کا ذرا — چہرۂ تقدیر سے پردہ اٹھا
میں نے دیکھا انقلابِ روس بھی — اور دیکھا انقلابِ جرمنی
اور اس کے ساتھ دیکھا میں نے کیا — شور اک جانِ مسلماں میں بپا
دیکھ لیں تدبیر ہائے غرب و شرق
فاش کر تقدیر ہائے غرب و شرق

تجلّی جلال کا ظہور

ناگہاں آیا نظر اپنا جہاں — وہ زمیں اپنی وہ اپنا آسماں

غرق تھا نورِ شفق گوں میں تمام
سرخ تھا مثلِ طبرخوں° وہ مدام

اس تجلی سے گری جو جان پر
مثلِ موسیٰ ہو گیا میں بے خبر

نور سے اس کے ہر اک پردہ اُٹھا
گفتگو سے تھی زباں نا آشنا

عالم بے چند و چوں سے اس گھڑی
اک نوائے سوزناک آنے لگی

○

چھوڑ خاور کو اور افسونِ افرنگ نہ ہو
نہیں اک جَو کے برابر بھی یہ دیرینہ و نو

وہ نگیں اہرمنوں کو تو جسے ہار چکا
نہیں کرتے اسے جبریلِ امیں سے بھی گرو

زندگی انجمن آرا ہے، نگہدار اپنی
ساتھ چل قافلے میں سب کے مگر بے ہمہ ہو

تو کہ ہے مہرِ درخشاں سے فروزندہ تر
اس طرح جی کہ ہر اک ذرے پہ پہنچے پرتو

° بید سرخ ، صندل سرخ ، آتش دان

اُس پرِ کاہ کے مانند کہ ہے رہنِ ہوا
گئے اسکندر و دارا و قباد و خسرو

میکدہ رسوا ہوا ترک تنک جامی کر
تھام لے شیشہ، حکیمانہ مے آشامی کر

o

جاوید سے خطاب

(نئی نسل سے کچھ باتیں)

جاوید سے خطاب

نئی نسل سے کچھ باتیں

اس سخن آرائی کا حاصل ہے کیا
دل میں جو ہے کب وہ لب تک آسکا

گو کیے سو نکتے میں نے بے حجاب
نکتہ اک رکھتا ہوں رشکِ صد کتاب

جس کو کہہ دوں تو بنے پیچیدہ تر
حرف و صورت اس کو کریں پوشیدہ تر

تو نظر سے میری اس کا سوز لے
یا مری آہِ سحر میں ڈھونڈ اسے

اپنی ماں سے درسِ ادب لے لیا
فیض سے اسکے ترا غنچہ کھلا

ہے اسی سے تیرا سارا رنگ و بو
اے مری دولت! بہا اس کی ہے تو

دولت جاوید اس سے تو نے پائی
لا الہ کوئی تجھے اس نے سکھائی

اے پسر لے مجھ سے اب ذوقِ نظر
لا الہ میں جلنا بھی سیکھ اے پسر

لا الہ کہہ میری جاں از روئے جاں
تاکہ تیرے تن سے آئے بوئے جاں

سوز سے اس کے ہیں گرداں مہر و ماہ
ہے یہی سوز اندرونِ کوہ و کاہ

لا الہ کب صرف اک گفتار ہے
یہ تو اک شمشیرِ بے زنہار ہے

جینا اس کے ساتھ قہاری تمام
لا الہ اک ضرب ہے کاری تمام

مومن اور پیش کساں باندھے نطاق[1] — مومن اور غداری و فقر و نفاق!
ملت و دیں ایک دمڑی میں لٹائے — خانہ اور اسبابِ خانہ سب جلائے
لا الٰہ سے ہے تہی اس کی نماز — ناز سے خالی رہا اس کا نیاز
نور سے دور اس کے سب صوم و صلوات — خالی ہے جلوے سے اس کی کائنات
تھا کبھی اللہ جس کا ساز و برگ — فتنہ اس کا حبِ مال و ترسِ مرگ[2]
کھو چکا ہے مستی و ذوق و سرور — دیں کتابی اور وہ خود نذرِ گور
عصرِ حاضر سے ہوا صحبت گزیں — سیکھے دو پیغمبروں سے حرفِ دیں
ایک ایرانی ہے، اک ہندی نژاد[8][9] — حج سے اک بیگانہ، اک دور از جہاد
جب جہاد و حج نہ ٹھہریں واجبات — جاں سے خالی پیکرِ صوم و صلوات
روح سے خالی نمازیں اور صیام — فرد ناہموار، ملت بے نظام
گرمیِ قرآں سے سینے ہیں تہی[3] — ایسے لوگوں سے کب امیدِ بہی[4]

چھوڑ دی مردِ مسلماں نے خودی
لو! گزرنے کو ہے سر سے موج بھی!

سجدے سے وہ جس کے زمیں لرزاں ہو گاہ! — جن کی مرضی پر چھپا در مہر و ماہ
سنگ پر ہوں ثبت اگر ایسے سجود — پھیل جائے وہ ہوا میں مثلِ دود[5]
لب نہیں کچھ سر بہ زیری کے سوا — کیا ہے ان میں ضعفِ پیری کے سوا
وہ شکوہِ ربیَ الاعلیٰ گیا — اپنی ہے تقصیر یا اس کی خطا!
ہر کوئی ہے اپنی رہ پر تند رو[6] — ناقہ اپنا بے زمام و ہرزہ دو[7]

---

[1] کمربند [2] موت کا ڈر [3] خالی [4] فائدہ [5] دھواں [6] تیز رفتار [7] غلط رو
[8] مرزا حسین علی بہاء اللہ۔ (ایرانی) بہائی مذہب کا بانی ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۲ء [9] مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۹ء تا ۱۹۰۸ء قادیانی مذہب کا بانی

صاحبِ قرآن و بے ذوقِ طلب !
العجب! ثم العجب!! ثم العجب!!!

ہاں مگر صاحبِ نظر تو ہے اگر — آنے والے دور پر بھی کر نظر
عقل ہے بے باک، دل ہیں بے گداز — آنکھ بے شرم اور تماشائے مجاز
علم و فن، دین و سیاست عقل و دل — زوج زوج اندر طوافِ آب و گل
ایشیا وہ مرز و بومِ آفتاب! — غیر میں اور خود سے ہے اس کو حجاب
وارداتِ نو سے یہ دل ہی تہی!! — اس کا حاصل کون لے دو جَو میں بھی
روزگار اس کا یہ این دیرینہ دیر — ساکن و یخ بستہ و بے ذوقِ سیر
صیدِ ملّاؤں کا، نخچیرِ ملوک — آہوئے اندیشہ اس کا لنگ[1] و لوک[2]
عقل و دین و دانش و ناموس و ننگ — بستۂ[3] فتراکِ[4] لُردانِ[5] فرنگ
حملہ آور میں ہوا ہوں بے خطر — اس کے سارے عالمِ افکار پر
اور پھر یہ سن کہ میں نے کیا کیا — پردۂ اسرار چاک اس کا کیا

دل کو اپنے سینے میں خوں کر لیا
اور جہاں اس کا دگرگوں کر دیا!!

حرف دو اس دور میں میں نے کہے — بحر کوزے میں مقید کر دیئے
حرفِ بیچا پیچ و حرفِ نیش دار — تا کروں عقل و دلِ مرداں شکار
حرفِ تہ دار[6] اک بہ اندازِ فرنگ — نالۂ مستانہ[7] اک از تارِ چنگ
اصل اس کی ذکر، اس کی فکر ہے — ہاں تمھیں وارث ہو فکر و ذکر کے

---

[1] لنگڑا [2] عاجز [3] بندھے ہوئے [4] شکاربند [5] لارڈ کے معنی لرد کی جمع [6] تلمیح بہ کتاب علامہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" بہ زبانِ انگریزی [7] علامہ کی شاعری مراد ہے۔

آبجو ہوں، اصل ہیں دو یم مری
فصل میرا فصل ہے اور وصل بھی

ہاں مزاج اس عصر کا ہے دوسرا
طبع میری لائے ہنگامہ نیا

نوجواں ہیں تشنہ لب خالی ایاغ
شستہ رو، تاریک جاں، روشن ایاغ

کم نگاہ و بے یقین و نا امید
آنکھ رکھتے ہیں مگر بے ذوق دید

اپنے منکر اور ہیں مومن بہ غیر
اپنی مٹی سے کریں تعمیر دیر

مدرسہ مقصود سے آگہہ نہیں
کیونکہ جذبِ اندروں میں لاوہ نہیں

نورِ فطرت جاں سے اپنی دھو دیا
اک گلِ رعنا نہ شاخوں پر کھلا

اینٹ ہی معمار نے ٹیڑھی رکھی
خوئے بط شاہیں بچے میں آگئی

علم میں جب تک نہ ہو سوزِ حیات
دل رہے بے لطف و کیف واردات

علم ہے شرحِ مقامات اے عزیز!
علم ہے تفسیر آیات اے عزیز!

آتشِ نفس میں جل اٹھنا چاہیے
تا کہ فرقِ نقرہ و مس[1] ہو سکے

علمِ حق اول حواس، آخر حضور
اس کا آخر کب سمجھ پائے شعور

سو کتابیں پڑھ لیں اے اہلِ ہنر
ہے وہ درس اچھا جو دیتی ہے نظر

ہر کسی گوشے جو نظروں سے ملے
مست کر دے نت نئے انداز سے

ہو دم بادِ سحر سے گل چراغ
اور اسی سے لالہ ہے مئے در ایاغ

کم خور و کم خواب و کم گفتار بن
اپنا مرکز صورتِ پرکار بن

منکرِ حق کو تو ملا نے سدا
صرف کافر اور کافر ہی کہا

میں خیال اپنا تجھے بتلاؤں کیا
اپنا منکر اس سے کافر ہے بڑا

---

[1] چاندی اور تانبہ

کیونکہ وہ انکار سے ٹھہرے عجول | یہ عجول اور ہم ظلوم و ہم جہول
شیوۂ اخلاص کو اگر اختیار | میر و سلطاں سے نہ ڈر تو زینہار
عدل کو قہر و رضا میں تھام رکھ | قصد کو فقر و غنا میں تھام رکھ
حکم ہے مشکل تو تاویلیں نہ ڈھونڈ | اپنے دل سے ہٹ کے قندیلیں نہ ڈھونڈ
حفظِ جاں؟ کر ذکر و فکرِ بے حساب | حفظِ تن؟ کر ضبطِ نفس عینِ شباب
حاکمی اس جگ میں اے والاصفات | حفظِ جان و تن سے ہی آتی ہے ہات
سیر کی لذت ہے مقصودِ سفر | آشیاں کا دھیان اڑنے میں نہ کر
ماہ ٹھہرے جب بنے صاحب مقام | سیرِ آدم میں ٹھہرنا ہے حرام
زیست کو ہے لذتِ پرواز کب | کرتی ہے وہ آشیاں سے ساز کب

رزق زاغوں کا ہے خاکِ گور میں
رزق بازوں کا ہے ماہ و ہور میں

سترِ دیں، صدقِ مقال، اکلِ حلال | خلوت و جلوت تماشائے جمال
راہِ دیں میں صورتِ الماس جی | حق سے دل باندھ اور بے وسواس جی
آ میں کچھ اسرارِ دیں تجھ کو بتاؤں | تجھ کو قصہ اک مظفر کا سناؤں
تھا بہ اخلاصِ عمل، فردِ فرید | پادشاہی میں مقامِ بایزید
سخت کش اک اسپ اسکے پاس تھا | جس کو بیٹے کی طرح تھا چاہتا
سبز رنگ اور نسل تھی اس کی عرب | باوفا بے عیب، پاک اس کا نسب
مردِ مومن کے لیے اے نکتہ رس | جاں سے پیارے ہے تیغ و قرآں و فرس

---

۱ عجلت کرنے والا ۲ بڑا ظالم ۳ بڑا جاہل ۴ میانہ روی، اعتدال ۵ ماہتاب، آفتاب
۶ سلاطین گجرات سے، سلطان محمود کا بیٹا جسے مسلمانانِ ہند بیگڑہ کہتے ہیں۔ ۷ گھوڑا۔ ۸ ۱- وکان الانسان عجولاً (اور انسان جلد باز ہے) (۱۷-۱۱) انہٗ کان ظلوماً جہولاً بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔ (۳۳-۷۲)

کیا کروں تعریف میں اس اسپ کی — تھا نجیب اور اصل اس کی پاک تھی
کوہ صحرا ہو کہ ہو دریا کوئی! — بس ہوا کی طرح اس کی چال تھی
جنگ کے دوران میں وہ اے پسر — تھا نظر سے بھی سوا آمادہ تر
مثلِ بادِ تند، قصہ مختصر — تھا سدا وہ طائف[1] کوہ و کمر
اس کی تگ[2] میں فتنہ ہائے رستخیز — پتھر اس کی ضربِ سُم سے ریز ریز
ہو گیا اک دن وہ اسپِ ارجمند — پیٹ کی تکلیف سے زار و نژند[3]
دی گئی اس کو علاجاً کچھ شراب — ہو گیا پھر ختم اس کا پیچ و تاب
بادشہ نے پھر نہ وہ گھوڑا چڑھا — شرع تقویٰ سب طریقوں سے جدا

اے خدا بخشے تجھے قلب و جگر
کر اطاعت پر مسلماں کی نظر

دیں ہے کیا؟ جلنا بہ صد سوزِ طلب — انتہا ہے عشق اور آغاز ادب
گل کی رنگ و بو ہی سے ہے آبرو — بے ادب، بے رنگ و بو، بے آبرو
نوجواں دیکھوں کوئی جب بے ادب — دن مرا تاریک ہو مانند شب
تاب و تب سینے میں بڑھ جائے مرے — یادِ عہدِ مصطفیٰ[4] آ جائے مجھے
عہد سے اپنے پشیماں ہو چلوں — عہدِ رفتہ میں، میں پنہاں ہو چلوں
سترِ زن ہے زوج یا خاکِ لحد — سترِ مرداں دوری از یارانِ بد
حرفِ بد لب پہ ہے لانا اک خطا — کافر و مومن ہیں سب خلقِ خدا
آدمیت آدمی کا احترام — جان لے! کیا آدمی کا ہے مقام

۱۔ طواف کرنے والا ۲۔ چال ۳۔ ملول ۴۔ یعنی شہر

رابطہ و ضبطِ تن بہ تن سے آدمی
گام زن ہو جا بہ راہِ[1] دوستی

عشق کا بندہ چلے حق کا طریق
کافر و مومن ہو دونوں پر شفیق

کفر و دیں ہوں زینت پیمانۂ دل
دل سے دل بھاگے اگر تو وائے دل

ہے اگرچہ دل اسیرِ آب و گِل
یہ سبھی آفاق ہے آفاقِ دل

تو خداوندانِ دہ سے ہے اگر
فقر کو مت ہاتھ سے دے اے پسر

سوزِ یہ خوابیدہ تیری جاں میں ہے
ہے عطایہ یہ بزرگوں کی ترے

دردِ دل سے ہٹ کے کوئی شے نہ مانگ
حق سے نعمت مانگ سلطاں سے نہ مانگ

ہو کوئی مردِ حق اندیش و بصیر
کثرتِ نعمت سے ہوتا ہے ضریر[2]

گھوم کر اک عمر دیکھا ہے جہاں
کم ہی دیکھا نم یہ چشمِ منعماں[3]

اے خوشا! جیتا ہے درویشانہ جو
آہ! جیتا ہے خدا بیگانہ جو

مومنوں میں ہے کہاں وہ ذوق و شوق
وہ یقیں وہ رنگ و بو وہ شوق و ذوق

علمِ قرآں سے ہیں عالم بے نیاز
صوفی ہیں درّندۂ[4] گرگ و مو دراز[5]

خانقاہوں میں ہے گرچہ ہائے و ہو
ہے یہاں کوئی کہ ہو مَے در کدو!

یہ مسلمانانِ افرنگی مآب
چشمۂ کوثر کو ڈھونڈیں در سراب

بے خبر از سرِّ دیں ہیں یہ سبھی
اہلِ کیں ہیں، اہلِ کیں ہیں یہ سبھی

خیر و خوبی تو بڑوں پر ہے حرام
پکّے ہیں صدق و صفا میں تو عوام

---

۱ راستہ ۲ اندھا ۳ دولت مند
۴ خونخوار بھیڑیے ۵ لمبے بالوں والے

کرگسوں[1] کا رسم و آئین اور ہے
سطوتِ پروازِ شاہیں اور ہے

مردِ حق تو ٹوٹتا ہے مثلِ برق
اس کی زد میں شہر و دشت و غرب و شرق

ہم کہ ہیں نذرِ ظلام[2] کائنات
وہ شریکِ اہتمامِ کائنات

وہ کلیم اللہؑ عیسیٰؑ اور خلیلؑ
وہ محمدؐ اور کتاب و جبرئیلؑ

آفتابِ کائناتِ اہلِ دل
اس کی کرنوں سے حیاتِ اہلِ دل

پہلے اپنی آگ میں تجھ کو جلائے
رمزِ سلطانی تجھے پھر وہ سکھلائے

سوز سے اسکے ہیں ہم سب اہلِ دل
ورنہ ہیں باطل سا نقشِ آب و گل

میں ہوں ترساں اس سے یہ عصرِ رواں
ہے بدن میں گم، نہ جانے رمزِ جاں

قحطِ جاں سے تن جو ارزاں ہو چلے
مردِ حق پھر خود میں پنہاں ہو چلے

مل نہ پائے لاکھ کیجے جستجو،
گرچہ دیکھیں اس کو اپنے روبرو

تو مگر ذوقِ طلب سے دھو نہ ہات
مشکلیں پیش آئیں لاکھ اے خوش صفات

گر نہ پائے صحبتِ مردِ خبیر
میں نے جو پایا اب[3] و جد سے بگیر[4]

پیرِ رومیؒ کو رفیقِ رہ بنا
تا کہ سوزِ دل تجھے بخشے خدا

کیونکہ رومیؒ جانیں فرقِ مغز و پوست
محکم اُن کے پاؤں ہیں در راہِ دوست

شرح تو اس کی سبھی کرتے رہے
آہ لیکن کس نے دیکھا ہے اُسے

معنی اس کے شعر کے اے خوش خصال
ہیں رمیدہ ہم سے مانندِ غزال

رقصِ تن میں شوق ہے اپنا دو چند
رقصِ جاں سے کر لی اپنی آنکھ بند

رقصِ تن گردش میں لائے خاک کو
رقصِ جاں برہم کرے افلاک کو

---

[1] گدھ [2] اندھیرا [3] باپ دادا [4] تھام لے

رقصِ جاں سے علم و حکمت ہاتھ آئیں — یہ زمیں، یہ آسماں، سب ساتھ آئیں
فرد اس سے صاحبِ جذبِ کلیم — ملت اس سے وارثِ ملکِ عظیم
رقصِ جاں کو سیکھنا ہے ایک کام — غیرِ حق کو پھونکنا ہے ایک کام
حرص و غم سے ہے اگر سوزاں جگر — رقصِ جاں ممکن نہیں پھر اے پسر
ضعفِ ایماں اور دلگیری کا ہے غم — نوجواں! اک نیمۂ٥ پیری کا ہے غم
فقرِ حاضر٥٥، حرص ہے، یہ جان لے — میں غلام اس کا جو قادر خود پہ ہے
تو مری تسکینِ جانِ ناشکیب — رقصِ جاں ٹھہرے اگر تیرا نصیب

تجھ پہ کھولوں سرّ دینِ مصطفےٰ ؐ
قبر میں دیتا رہوں تجھ کو دعا!

---

٥ تلمیح بہ حدیث شریف الھم نصف الھرم (یعنی غم آدھا بڑھاپا ہے)

٥٥ تلمیح بہ حدیث شریف فانہ الفقر الحاضر (یعنی حرص فقرِ حاضر ہے)

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

جاوید نامہ کے کردار و مقاماتؑ

مختصر تعارف

کردار / مقام	تعارف

تمہیدِ آسمانی

وند	ہمدان (ایران) کے ایک بلند پہاڑ کا نام

تمہیدِ زمینی

ان	خلیج فارس کا آخری جنوبی حصہ
ی عمرانؑ	حضرت موسیٰ علیہ السلام
شیرِ حق	اصل میں 'شیرِ خدا' استعمال ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا خطاب
ستم دستان	رستمِ زال، ماقبل اسلام ایران کا مشہور جنگی سورما
می رو	مولانا جلال الدین رومیؒ (۱۲۰۷ء بلخ / افغانستان) تا ۱۲۷۳ء (قونیہ / ترکی) عالمِ اسلام کے عظیم متکلم، عالم اور صوفی۔ دینی معاملات میں عقل اور فلسفہ کی مداخلت کے سخت مخالف۔ اقبالؒ کے مرشدِ معنوی جو اس آسمانی سفر میں ان کے رہنما ہیں۔
سبر	مدینہ سے ۱۰۰ میل کے فاصلے پر یہودی قلعہ تھا، جس کے دیو ہیکل دروازے کو حضرت علیؓ نے بڑی آسانی سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ ۶۲۸ء میں فتح ہوا۔
وان	یہ لفظ مجوسیوں کی مقدس کتابوں اوستا اور ژند اور قدیم پہلوی زبان میں زمان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

فلکِ قمر

طین۔ یلدرم / قمرود۔ یرغمید	چاند کے پہاڑوں کے فرضی نام
ف ہندی المعروف / جہاں دوست	عظیم ہندو حکیم و عارف، سری رامچندر جی کے استاد وشوامتر مراد ہیں، جنہوں نے کھتری ہوتے ہوئے تپسیا کے ذریعہ برہمن کا درجہ حاصل کیا۔ چنانچہ رامائن کے مطابق ان کی تپسیا کو بھنگ کرنے دیوتا اندر نے دو اپسراؤں (رمبھا اور مینکا) کو ان کے پاس بھیجا۔ مینکا ان کو رجھا گئی اور شکنتلا کا جنم ہوا۔

رگ وید کے تیسرے منڈل کے اشلوک انھیں کے ہیں۔ جہاں دوست 'دشوامتر' کا بڑا خوبصورت لفظی ترجمہ ہے۔

۳۹ زہرہ — ایک غیر معتبر روایت کے مطابق زہرہ نامی ایک خوبصورت عورت پر ہاروت و ماروت

۳۹ بابل — نامی فرشتے عاشق ہو گئے تھے۔ جن کو بطور سزا شہر بابل کے ایک کنویں میں قید کر دیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں بابل اور ہاروت و ماروت کا ذکر جادو کی تعلیم کے سلسلے میں آیا ہے۔ (دیکھئے سورۂ بقر آیت ۱۰۲)

۴۳ سروش — زرتشتی مذہب میں تسلیم و رضا کا فرشتہ یا حضرت جبرئیلؑ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے

۴۴ رازی — امام فخر الدین رازی (وفات ۱۲۱۰ء) مشہور متکلم اور مفسر قرآن جن کی تفسیر کو اقبال نے کبھی نہیں سراہا (دیکھئے بالِ جبریل) ے

نے مہرہ باقی نے مہرہ بازی ٭ جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی

۴۶ طواسین — طاسین کی جمع۔ سورۂ نمل کی ابتدا انہیں حروفِ مقطعات (طٰس) سے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر شیمل کے مطابق یہ ترکیب حلاج کی تصنیف "کتاب الطواسین" سے ماخوذ ہے۔

۴۷ گوتم — مہاتما گوتم بودھ (۵۶۷ ق۔م تا ۴۸۳ ق۔م) اصلی نام سدھارتھ شہزادگی کو چھوڑ کے 'جوگ' لے لیا ساکیہ منی کے لقب سے ملقب ہوئے، اپنے لئے تھاگت (سچائی کو پانے والا) کا لقب اختیار کیا تزکیۂ نفس اور نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرنا بدھ مت کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔ امرپالی نامی ایک طوائف آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر گنہ آلود زندگی سے تائب ہوئی غالباً اسی واقعے کے پس منظر میں گوتم کے فلسفہ ترک کو اقبال نے پیش کیا ہے۔

۵۰ زرتشت — زرتشتیوں کے پیغمبر جنھوں نے ثنویت (نور و ظلمت، خیر و شر) کا تصور پیش کیا خیر و شر کی ارتقائی پیکار میں خیر کی فتح لازمی ہے۔

۵۰ اہرمن — زرتشتیوں کے عقیدے کے مطابق بدی کا خدا

۵۰ آرہ و کرم و صلیب — تلمیحات و قصص پیغمبراں۔ حضرت ذکریاؑ، حضرت ایوبؑ اور حضرت عیسیٰؑ جن امتحانوں سے گزرے ان کی طرف اشارہ ہے۔

۵۲ مسیح — حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۵۲ طالسطائی — کاونٹ لیو ٹالسٹائی۔ (۱۸۲۸ء تا ۱۹۱۰ء) مشہور روسی ناول نگار اور مصلح جس نے اشتراکی تعلیمات کے ساتھ دینِ مسیحی کی اخلاقی تعلیمات کی بھی اپنی تحریروں میں تلقین کی۔

۵۲ مرداک تھاغوق.... — قوم یہود مراد ہے جس نے رومی حکمراں (فلاطوس) سے مل کر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا۔

۵۲ افرنگین — اقبال کی اپنی وضع کردہ ترکیب غالباً مغرب کی تباہ کن تہذیب مراد ہے۔

۵۳ جوئے سیمین — قوم یہود کی زر پرستانہ فطرت کی طرف کنایہ ہے۔

۵۴ محمدؐ — پیغمبر اسلامؐ

۵۴	ابو جہل	اسلام اور پیغمبر اسلام کا بدترین مخالف، حضورِ اکرمؐ کا چچا۔ جنگ بدر (۶۲۴ء) میں مارا گیا۔
۵۴	سلمانؓ	دیکھئے حاشیہ ص ۵۵
۵۴	مزدک	قدیم ایران کا اشتراک کا پہلا داعی (۵۲۸ء تا ۵۰۸ء) جس نے بتلایا کہ تمام انسان مساوی ہیں، انفرادی جائیداد کا تصور لامحدود تباہی کا باعث ہے۔
۵۵	ابنِ عبداللہ	پیغمبر اسلام محمدؐ بن عبداللہ صلعم
۵۵	ہاشم	قبیلۂ بنی ہاشم جس میں پیغمبر اسلامؐ پیدا ہوئے۔
۵۵	عدنان، سبحان، زبیر	دیکھئے حاشیہ صفحہ ۵۵

فلکِ عطارد

۵۹	جمال الدین افغانی	(۱۸۳۸ء تا ۱۸۹۷ء) عظیم عالمِ دین، خطیب، فلسفی، مصلحِ قوم اور انقلابی شخصیت امیر کابل نے باغیانہ خیالات کی وجہ سے جلاوطن کیا ہندوستان (حیدرآباد) مصر، ایران، فرانس، ترکی اور روس میں اتحاد اسلامی کی زبردست تحریک چلائی اور ہر جگہ سے صاحبانِ اقتدار نے آپ کو ملک بدر کیا۔ پیرس سے ایک رسالہ عروۃ الوثقیٰ عربی اور فرانسیسی زبان میں شائع کیا۔ سلطان عبدالحمید کی دعوت پر ترکی گئے اور وہیں انتقال کیا۔
۵۹	سعید حلیم پاشا	(۱۸۶۵ء تا ۱۹۲۱ء) ترک لیڈر، خدیو مصر کے پوتے، پان اسلامزم تحریک کے زبردست مجاہد، سلطان عبدالحمید خاں والیٔ ترکی کی حکومت میں وزیر خارجہ اور وزیر اعظم رہے۔ ۱۹۲۰ء میں ترکی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد مالٹا میں نظر بند ہوئے۔ روم میں ایک آرمینی نوجوان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔
۶۰	فضیلؒ	ایک زبردست ریاضت کرنے والے بزرگ (زاہد مرتاض) وفات ۸۰۳ء
۶۰	بوسعیدؒ	حضرت ابو سعید ابوالخیرؒ (وفات ۱۰۴۹ء) فارسی صوفیانہ اور اخلاقی شاعری کے اولین نمائندہ
۶۰	جنیدؒ	حضرت جنید بغدادیؒ (وفات ۹۱۰ء) عظیم صوفی، مسلک صحو کے نمائندہ
۶۰	بایزیدؒ	حضرت بایزید بسطامیؒ خراسان کے مشہور صوفی، مسلک سُکر کے نمائندہ
۶۰	زندہ رود	لفظی معنی زندہ دریا۔ ایران کے ایک دریا کا نام جس کے کنارے اصفہان آباد ہے یہاں خود اقبال مراد ہیں۔
۶۱	مردِ مغرب	غالباً کرنل لارنس (المعروف بہ لارنس آف عریبیہ) مراد ہے جس نے عرب نیشنلزم کی تحریک چلا کر عربوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکایا اور اتحادِ اسلامی کو پارہ پارہ کیا۔ متعلقہ اشعار میں مابعد ۱۹۱۸ء کے معاہدات کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔
۶۴	مصطفیٰ	اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا جس کی تجدد پسندی سے اقبال خوش نہ تھے دیکھئے [illegible] مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی [illegible]

فلکِ زہرہ

۸۱ زین العابدینؓ — حضرت علیؓ کے پوتے آلِ رسولؐ سے معرکۂ کربلا میں بچنے والے واحد

۸۲ بعل و مردوخ و یعوق و عزیٰ — عربوں کے ایامِ جاہلیت کے دیوتا، جن کے بت کعبہ میں تھے۔ جن میں سے
ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ جیسے یعوق و نسر قوم نوحؑ کے بت (
لات قبیلۂ ثقیف (طائف) کا بت (۵۳/۱۹)

۸۴ بعل — عبرانی میں آقا، خداوند یا شوہر، سورج دیوتا کا لقب، دنیا کا قدیم ترین
حضرت الیاسؑ کی قوم اس بت کی پرستش کرتی تھی (قرآن ۳۷/۱۲۵)
میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے (۳۳/۲-۳)

۸۵ فرعون — حضرت موسیٰؑ کے تعاقب میں اس مصری حکمران کے دریا برد ہونے کی تفصیل
طٰہٰ میں آئی ہے

۸۶ کشنر — لارڈ کچنر کا مفرس، برطانوی جرنیل (۱۸۵۰ء تا ۱۹۱۶ء) (تفصیل کے
دیکھئے حاشیہ صفحہ ۸۵)

۸۸ ذوالخرطوم — مرادِ خرطوم کا مالک، کچنر کے خطاب لارڈ آف خرطوم کا عربی ترجمہ۔

۸۹ درویش سوڈانی — محمد احمد بن عبداللہ (۱۸۴۳ء تا ۱۸۸۵ء) المعروف بہ مہدی سوڈانی
۱۸۸۱ء میں مہدی ہونے کا اعلان کیا انگریزوں کے خلاف مسلمانوں
جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونکی۔ انگریزوں کو دو مرتبہ (۱۸۸۲ء اور
میں شکستِ فاش دی۔

۸۹ خالدؓ — حضرت خالد بن ولیدؓ مشہور صحابیِ رسول فوجی جرنیل جن کی سرکردگی میں
بڑی اسلامی فتوحات ہوئیں (وفات ۶۴۱ء)

۸۹ فواد، فیصل، ابنِ سعود — شرقِ اردن، عراق اور سعودی عرب کے حکمرانِ وقت

۸۹ بطحا — وادیِ مکہ

۸۹ یثرب — مدینۂ منورہ کا قدیم نام

۸۹ فاروقؓ — حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفۂ ثانی (مصر کے حکمرانِ وقت شاہ فاروق پر
طنز کا پہلو نکلتا ہے۔)

۸۹ نجد — سعودی عرب میں ایک مقام

فلکِ مریخ

۹۴ انجم شناسِ مریخی
الموسوم بہ
حکیم مریخی — ایک فرضی کردار

۹۴ مرو — خراسان کا ایک شہر جو اب سوویٹ روس میں ہے

۹۵ برخیا — مریخ کا ابو الآبا۔ فرضی کردار

۹۵ فرزمرز — فرضی کردار

۹۶ مرغدین — مریخ کے ایک فرضی شہر کا نام

۹۹/۱۰۰ دوشیزۂ مریخ/نبیۂ مریخ — فرضی کردار۔ تمثیلی طور پر مغرب کی تحریک آزادیٔ نسواں مراد ہے۔

۱۰۵ حلاج

فلکِ مشتری

حسین بن منصور الحلاج (۸۵۸ء تا ۹۲۲ء) صوفیا کی سب سے
نیہ شخصیت۔ پندرہ سولہ سال تک ایران و خراسان کے علاوہ کشمیر
کی سیاحت کی۔ حج کیا۔ بغداد میں وحدت الوجودی تعلیمات کی ترویج
جس سے علماء و صوفیا اس کے خلاف ہو گئے۔ آٹھ سال تک جیل میں
آخر کار قتل کر دیا گیا۔ اس کی ایک تصنیف "کتاب الطواسین" طبع
(انا الحق، اور مقامِ مجاز)

۱۰۵ قرۃ العین طاہرہ (قزوینی) — اصلی نام زرین تاج۔ نہایت حسین، ذہین اور فطین خاتون تھی شادی کے
مذہب اختیار کیا۔ قرۃ العین کا لقب اور تخلص طاہرہ اُسے باب ہی نے
اعلیٰ پائے کی شاعرہ تھی اور اتنی ہی بڑی مقرّر۔ بابی مذہب اختیار کر
میں ۱۸۵۲ء میں قتل کر دی گئی لیکن ترغیب کے باوجود اپنے مذ
پھرنا قبول نہ کیا۔

۱۰۵ غالب (دہلوی) — مرزا اسد اللہ خاں غالب ۱۷۹۷ء تا ۱۸۶۹ء اردو فارسی کا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

۱۰۸ خاوران — مشرق۔ غالب کے اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے
ایک مرتبہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے حضرت علیؓ کی نمازِ عصر قضا
آپ نے اشارے سے سورج کو لوٹایا اور نمازِ عصر ادا فرمائی۔

فلکِ زحل

۱۲۵ جعفر — اصلی نام میر جعفر (وفات ۱۷۶۵ء) نواب سراج الدولہ صوبہ
سپہ سالار جس نے جنگِ پلاسی (۱۷۵۷ء) میں عین میدانِ جنگ
سے سازش کر کے نواب سے غداری کی اور فتح کو شکست میں
جنگ ایک طرح سے پہلی جنگِ آزادی تھی۔

۱۲۵ صادق — اصلی نام میر صادق۔ معمولی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے والیٔ
اور فتح علی خاں (ٹیپو سلطان) کے وزیر کے عہدے تک پہنچا۔

میسور کی چوتھی لڑائی (۱۷۹۹ء) میں میر جعفر کی طرح انگریزوں سے مل کر ٹیپو سلطان سے غداری کی۔ جس سے انگریزوں کے قدم دکن میں بھی جم گئے

۱۲۶ عنتری — مشہور عرب پہلوان جس کو حضرت علیؓ نے بہ آسانی پچھاڑ دیا تھا۔

افلاک کی سمت

۱۳۳ نطشہ — مشہور جرمن فلسفی (۱۸۴۴ء تا ۱۹۰۰ء) مذہب اور خدا کا منکر جس نے زندگی کو خیر اور ارادہ کو بامقصد بتایا تاکہ فوق البشر پیدا ہو اپنا نظریۂ ابدی مراجعت پیش کیا کہ مادہ، توانائی حیوانات اور انسان بار بار عود کرتے ہیں اور اسی سطح پر دوبارہ جنم ہوتا ہے جس ذہنی سطح پر موت واقع ہو اس کی تحریریں فلسفیانہ خشکی سے دور نہایت بلیغ ادبی پیرایہ لئے ہوئے ہیں۔ "بقولِ زرتشت" اس کی مشہور تصنیف ہے۔ اقبال کے خیال میں نطشہ رہبر کامل کے نہ ملنے سے بھٹک گیا۔ بالِ جبریل میں بھی اُسے مجذوب فرنگی، کے نام سے یاد کیا ہے (دیکھئے "حکیم نطشہ" ضرب کلیم)

۱۳۴ ابن سینا — حکیم بو علی سینا (۹۸۰ء تا ۱۰۳۷ء) مشہور طبیب و فلسفی جن کی طب پر مشہور کتاب 'قانون' کئی صدیوں تک یورپ کی جامعات میں پڑھائی جاتی رہی سینکڑوں کتابوں کا مصنف۔ یونانی اور نو افلاطونی فلسفہ کی روشنی میں اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی۔ "سوزِ دل" سے محروم ہونے کی بنا پر اقبال نے اسے پسند نہ کیا (دیکھئے پیامِ مشرق ؎

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم ‫ ‫ دستِ رومی پردۂ محمل گرفت)

۱۳۵ عہد احمدیؒ — حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کا زمانہ مراد ہے (۱۵۶۴ء تا ۱۶۲۴ء) آپ نے اکبر اور جہانگیر کے عہد میں 'دین الٰہی' اور غیر اسلامی تعلیمات کے خلاف جو مسند اقتدار سے جاری تھیں، زبردست جہاد کیا ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

(دیکھئے نظم "پنجاب کے پیرزادوں سے" بالِ جبریل) اپنے مسلک وحدت الشہود کے لئے مشہور ہیں جس کی روشنی سے اقبال کے خیال میں نطشہ کو مستفیض ہونے کا موقع نہ مل سکا۔

۱۳۶ شرف النساء — والیِ پنجاب نواب عبدالصمد خاں کی بیٹی نہایت عابد و زاہد خاتون

۱۳۷ عبدالصمد — نواب عبدالصمد خاں جنہیں فرخ سیر نے ۱۷۱۳ء میں صوبیدار پنجاب مقرر کیا

۱۳۸ خالصہ — سکھ فرقہ

۱۳۹ امیر کبیر سید علی ہمدانی المعروف بہ شاہِ ہمدان — والیِ کشمیر سلطان شہاب الدین کے عہد میں ہمدان (ایران) سے کشمیر تشریف لائے کشمیر میں تبلیغ دینِ متین کا بے پناہ کام انجام دیا۔ مختلف

صنعتوں کو فروغ دیا۔ کتاب الملوک، آپ کی اہم تصنیف ہے۔ آج کا کشمیر انہیں کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ (وفات ۱۳۸۵ء)

۱۳۸ خطّہ — کشمیر مراد ہے۔

۱۳۸ ملا طاہر غنی کاشمیری — شاہجہانی عہد کا مشہور شاعر (وفات ۱۶۶۹ء) جو گھر سے باہر نکلتا تو دروازہ کھلا چھوڑ جاتا اور گھر میں ہوتا تو دروازہ بند رکھتا کیوں کہ وہ اپنے آپ ہی کو گھر کی سب سے زیادہ قیمتی چیز سمجھتا تھا (دیکھئے نظم "غنی کاشمیری" پیام مشرق)

۱۳۹ غزالی — ایران کے مشہور متکلم و صوفی (وفات ۱۱۱۱ء)

۱۴۰ باغ — نشاط باغ کشمیر مراد ہے اصل میں نشاط، استعمال ہوا ہے۔

۱۴۱ شہاب الدین — کشمیری حکمراں جس کے عہد میں شاہ ہمدان تشریف لائے جس کے دورِ حکومت میں کشمیر نے بے پناہ دینی اور دنیوی ترقی کی۔

۱۴۱ جینوا — (مرحوم مجلسِ اقوام) کا صدر دفتر جینوا میں تھا۔

۱۴۱ مجلسِ اقوام — لیگ آف نیشنس (دیکھئے نظم "جمعیت اقوام" ضرب کلیم)

۱۴۲ دہقاں کو بھی بیچ رہے ہیں — میثاقِ امرتسر (۱۸۴۶ء) کی طرف اشارہ ہے جب انگریزوں نے پچاس لاکھ روپے کے عوض کشمیر کو راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

۱۴۴ برہمن زادگانِ زندہ دل — پنڈت موتی لعل نہرو اور پنڈت جواہر لعل نہرو مراد ہیں جن کی ولولہ انگیز جدو جہد آزادی سے اقبال متاثر تھے (دیکھئے "تلاش ہند" - از: پنڈت نہرو)

۱۴۴ وُلر — کشمیر کی مشہور جھیل

۱۴۵ اہلِ خطہ — اہلِ کشمیر

۱۴۶ بھرتری ہری — ساتویں صدی کا ہندو راجہ اور شاعر جس نے بعد میں جوگ لے لیا جس کے اقوالِ زریں اپنی بلاغت اور معنویت میں بے مثال ہیں (دیکھئے بالِ جبریل کا سرنامہ)۔

۱۴۸ نادر — نادر شاہ دُرانی۔ اصلی نام نادر قلی بیگ (۱۶۸۸ء تا ۱۷۴۷ء) ایرانی حکمراں جس نے محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں ۱۷۳۹ء میں دہلی پر حملہ کیا۔ دہلی کے قتل عام کے لئے بڑی شہرت رکھتا ہے معلوم نہیں اقبال نے کیوں اُسے دوستی و محبت کا پیامی اور دانائے رمزِ اتحاد کہا ہے۔

۱۴۹ ابدالی — احمد شاہ ابدالی: اصلی نام احمد خاں (وفات ۱۷۷۳ء) افغان حکمراں، ہندوستان پر سات مرتبہ حملہ کیا۔ جب دہلی کی مرکزی مسلم حکومت کمزور ہو رہی تھی مرہٹوں اور سکھوں کی سرکوبی کی۔

سلطان شہیدؒ	نواب فتح علی خاں المعروف بہ ٹیپو سلطان والیٔ میسور (شہادت ۱۷۹۹ء) جنگِ آزادی کے اولین مجاہدین سے ایک۔
ـشاپور	ایران کے تین بادشاہوں کا نام شاپور تھا۔
ـحیدرؓ	حضرت علی ابن ابی طالبؓ خلیفہ چہارم کا لقب حیدر کرار بھی ہے۔
ـیزد جرد	آخری ساسانی حکمراں جس کو اسلامی فوجوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ (وفات ۶۵۱ء)
ـناصر خسرو علوی	ابو معین ناصر بن خسرو علوی (۱۰۰۴ء تا ۱۰۸۸ء) فارسی کے اولین بڑے شعرا سے ایک، مصر کے فاطمی حکمرانوں کے دربار سے منسلک تھے۔
ـلیاسؑ	بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر۔
ـشاعرِ افغاں شناس	خوشحال خاں خٹک (خٹک) (۱۶۱۳ء تا ۱۶۸۹ء) افغان شاعر اور مجاہد آزادی جس نے مغل اقتدار کے خلاف تلوار اٹھائی اور رجز لکھے۔ پشتو لٹریچر کی عظیم شخصیت (دیکھئے نظم خوشحال خاں کی وصیت ضربِ کلیم)
ـترک	جدید ترکی کی طرف اشارہ ہے جس کو اتاترک نے مغرب کی تباہ کن تہذیب کے حوالے کر دیا۔
ـتریاقِ عراق	غالباً عراق میں سانپ کے زہر کی کوئی مؤثر دوا ملتی تھی، سعدی شیرازیؒ کا مشہور مقولہ ہے "تا تریاق از عراق" آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود (دیکھئے گلستان سعدی باب اول)
ـپہلوی	رضا شاہ پہلوی معزول شدہ مرحوم شاہ ایران کا دادا جس نے ایران میں کئی اصلاحات نافذ کیں۔
ـبا	قباد کا مخفف بہ اعتبارِ ضرورتِ شعری کیقباد قدیم ایرانی بادشاہ مراد ہے۔
ـدر	نادر شاہ، والی افغانستان امان اللہ خاں کا سپہ سالار بچہ سقہ کو شکست دے کر (۱۹۲۹ء) برسرِ اقتدار آیا اور افغانستان کو ترقی کی راہ پر ڈالا۔
ـودِ کاویری	دریائے کاویری (میسور) جس کے کنارے شہر سرنگا پٹم آباد ہے۔
ـجیحون	شہر بلخ (افغانستان) سے ہو کر بہنے والا دریا۔
ـرات	شہر کوفہ (عراق) کا دریا
ـابن مرتضیٰؓ	حضرت امام حسینؓ
ـائے جمال	ذات واجب کی جمالی شان مراد ہے۔
ـشبلیؒ	بغداد کے مشہور صوفی (وفات ۹۴۵ء)